اچھے اعتقاد

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

میر نذیر علی درد

۷۸۶
۹۲

اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمّد و سیلتی الیک و آلہ وسلم

اچھے اعتقاد

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

میر نذر علی درد

سنہ ۱۳۷۴ھ
سنہ ۱۹۵۵ء

قیمت دس آنہ

تعداد [illegible]

فہرستِ مضامین کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلے علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

اتحاد اور اعتدالی نقطۂ نظر کی دعوت!

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی آپس کے اختلافات کو بھول جائیں۔ اور اعتدالی نقطۂ نظر نیز رواداری کے تحت ایک مرکز پر متحد ہو جائیں۔ یہ آپس کے جھگڑوں کا زمانہ نہیں ہے۔

مگر افسوس کہ اکثر پڑھے لکھے لوگ جو تصوف اور اولیاء اللہ سے بدعقیدہ ہو کر العلم حجاب الاکبر میں ہیں۔ آئے دن مختلف مضامین اور کتابوں کے ذریعہ ہم حنفی اہل سنت والجماعت کو اولیاء اللہ کا معتقد ہونے کی وجہ سے کافر و مشرک بنا کر دائرہ اسلام سے خارج کرتے رہتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے کافر و مشرک کہنے سے ہم لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہمارے جو اعتقاد ہیں وہ قرآن و حدیث ہی کی روشنی لئے ہوئے ہیں۔ جنکی تفصیل آگے آتی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ دیکر عوام کو ہماری طرف سے بدگمان ہو جانے

اور نفرت پھیلانے میں کافی سے زیادہ کوشش کیجاتی ہے. بدگمانی کی انتہا یہ ہے کہ ہم لوگوں کو زبردستی قبر پرست اور پیر پرست کہا جاتا ہے. ایسے حضرات خود تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے اور پبلک کو بھی ایک ہی رخ دکھلاتے ہیں. اگر تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنے کی عادت ہوتی تو ان کو معلوم ہوجاتا کہ یہی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ سے اعتقاد۔ اُن سے حاجت روائی اور اُن کے فاتحہ کے متعلق اپنی دوسری کتابوں میں کیا تحریر فرما رہے ہیں. اگر کسی کتاب میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہم لوگوں کے اعتقادات کیخلاف کچھ لکھا ہے تو وہ اُنکی ابتدائی دور کی کتابیں ہیں.

دائرہ اسلام سے کسی کا اخراج

انھیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ' میں یہ حدیث لکھی ہے.

ثلث من اصل الایمان۔ الکف عمن قال لا الہ الا اللہ۔ لا نکفرہ بذنب ولا نخرجہ من الاسلام بعمل۔ الحدیث صفحہ ۴۴۹ (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ)	ایمان کی اصل ۳ (باتیں) ہیں. جو شخص لا الہ الا اللہ کہے (اسکی برائی سے) زبان بند رکھنا چاہیئے. کسی گناہ کی وجہ سے (مسلمان کو) کافر کہنا صحیح نہیں. کسی عمل کی وجہ سے اُسکو اسلام سے خارج نہ سمجھنا چاہیئے.

غرض اس حدیث شریف کے لحاظ سے آپ کسی مسلمان کو بدعملی کی بنا پر اسلام کے دائرے سے خارج نہیں کرسکتے. اسی مضمون کی ایک اور طویل حدیث ہے. ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف مطبع مجتبائی ص ۲۱۔

ہم کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں سمجھتے۔ نہ اُن کو بالذات صاحب اقتدار یا مختار مانتے ہیں۔ بلکہ خدا کی توفیق سے مختار یا حاجت روا مانتے ہیں۔ پھر آپ ہم کو مشرک نہ کہیے کافر نہ جانیے اور خدا سے ڈریے۔ قرآن شریف میں ہے ان بعض الظن اثم یعنی بعض گمان گناہ ہیں۔ اس لیے ہماری طرف سے بدگمانی چھوڑ دیجیے۔

کافر۔ مشرک۔ اپنے بتوں کو خدا یا صاحب اقتدار یا بالذات حاجت روا جانتے تھے اس لیے قرآن شریف نے اُن کو مشرک ٹھہرایا۔ جب ہم اللہ والوں کو خدا کی توفیق سے حاجت روا سمجھتے ہیں تو مشرکوں والی آیتوں کو آپ ہم پر کیوں چسپاں کرتے ہیں۔ یہ سراسر۔ ناانصافی۔ بدگمانی اور ڈھٹائی ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بہت سے دینی بھائی بداعتقاد لوگوں کی کتابیں پڑھ کر متاثر ہو جاتے ہیں اسلئے بحث کیلئے نہیں بلکہ ہم اپنے بھائیوں کو سمجھانے کیلئے چند عنوان قائم کر کے انشاءاللہ اپنے اعتقاد قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرینگے۔

عام طور پر خوش اعتقادی کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ مگر لوگوں کو معلوم نہیں کہ مومن ہونے کی یہی نشانی ہے۔ پہلے یہ سمجھئے کہ خوش اعتقادی کا مطلب کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر اعتراض کے بیچون وچرا کسی بات کو تسلیم کر لیا جائے اسی کا نام خوش اعتقادی ہے۔ سب سے پہلے قرآن شریف سے اس بات کا ثبوت سنئے۔ اللہ تعالیٰ اول پارہ میں خوش اعتقادوں کی تعریف اس طرح فرمارہا ہے کہ یومنون بالغیب یعنی جو (بیچون وچرا) غیب پر ایمان لائے ہیں۔ مومن کی یہی صفت ہے اسی کو حضرت حافظ شیرازیؒ نے اس طرح نظم کیا ہے ؎

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ۔۔۔ کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

خوش اعتقادی کیا چیز ہے۔ اللہ و رسول کی ہر بات کو کسی شک اور شبہ کے بغیر چپ چاپ تسلیم کر لینا۔ مان لینا۔ کسی قسم کے جھگڑے نہ نکالنا۔ اسی کا نام ایمان ہے جن لوگوں کے دل میں شک تھا۔ آنحضرتؐ پر ایمان نہ تھا یعنی اعتقاد نہ تھا وہی تو کافر کہلائے اسرائیلیوں نے خدا کے حکم کو خوش اعتقادی سے فوراً تسلیم نہیں کیا۔ پوچھنے لگے گائے کیسی ہے؟ کس قسم کی ہے؟ کس رنگ کی ہے۔ شک میں پڑ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معتوب ہے قرار پائے۔ معراج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے بلا کسی اعتراض کے خوش اعتقادی سے فوراً تسلیم کر لیا۔ تو صدیق اکبر خطاب ملا۔ قرآن شریف کی آیت قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا اسمیں کیا ہے۔ اسمیں بھی یہی چیز ہے۔ جو لوگ معجزے کے طالب نہیں ہوتے خوش اعتقادی سے ایمان لائے وہی اصلی مومن ہیں۔

اگر اعتقاد نہ ہو تو کیا لاریب فیہ پر کامل ایمان ہو سکتا ہے؟

اگر اعتقاد نہ ہو تو کیا یومنون بالغیب پر کامل ایمان ہو سکتا ہے؟

اگر اعتقاد نہ ہو تو کیا فرشتوں، کتابوں رسولوں اور قیامت پر کامل ایمان ہو سکتا ہے؟

حضرت صدیق اکبر کے واقعہ کو پیش نظر رکھئے۔ اعتقاد نہ ہو تو کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ مومن اور مسلم میں بھی فرق ہے جیسا کہ اوپر ہم نے تبلایا۔ ورنہ پھر منافقت ہے۔ اب رہا خوش کا لفظ تو اللہ و رسول سے بڑھ کر کون ہو گا جس اعتقاد کو کہنا اچھا اعتقاد (یعنی خوش اعتقادی) نہ ہو۔ اس لیے خوش اعتقادی کا لفظ بیجا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

میر سید علی درد

حدیث اور اُس کی قسمیں

حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تفصیل بڑی بڑی کتابوں میں دیکھئے۔ یہاں ہم چند ضروری چیزوں کو واضح کیے دیتے ہیں۔

۱۔ حدیث صحیح وہ حدیث ہے جسکو معتبر اور قوی الحافظہ لوگوں نے بیان کیا ہو اور کامل طور پر اسمیں یہ صفتیں موجود ہوں۔

۲۔ حدیث حسن وہ حدیث ہے کہ اسمیں یہ سب صفتیں تو موجود ہوں مگر کامل طور پر نہوں

۳۔ حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جسمیں صحیح اور حسن کے اوصاف نہوں اس کا راوی مطعون یا کوئی راوی درمیان سے ساقط ہو (ملاحظہ کتاب البدر النیر ترجمہ جامع الصغیر ص۳)

زیادہ تحقیق منظور ہو تو مولانا عبدالقدیر صاحب حیدرآبادی کی کتاب قول فیصل دیکھیے یا کوئی اور بڑی کتاب۔ مولوی عبدالقدیر صاحب حیدرآبادی نے اپنی کتاب قول فیصل میں لکھا ہے کہ "سند میں جس قدر نام کم ہونگے وہ سند عالی ہوگی اور یقینی۔ جتنا بُعد ہوگا اتنا ہی یقین سے بُعد اور سند سافل۔"

اول تو اعمال میں ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالقدیر صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب نسخ قرآن میں بصفحہ ۲۱ تحریر فرماتے ہیں "بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات میں قابل عمل سمجھتے ہیں۔" حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں چند حدیثیں بیان کر کے لکھا ہے کہ "اگرچہ ان احادیث کے ثبوت میں محدثین کو کلام ہے تاہم ان احادیث کیلئے سندیں ہیں جو بعض بعض کی تائید کرتی ہیں صفحہ ۱۴۲"۔ کتاب شمع محمدی کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

مجھے تو ضعیف سے ضعیف حدیث بھی لوگوں کی رائے سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔	ضعیف الحدیث احب الی من اراء الرجال (عقد الجواہر)

مولوی اشرف علی صاحب کو اپنی وہابیت کی وجہ سے پہلے بہت سی حدیثوں سے انکار تھا مگر بعد کو اس انکار و تشدد میں لہجہ نرم اختیار کیا گیا ہے مثال کے طور پر سنیئے ہزاری روزے کی حدیث ہے۔ اس حدیث سے تھانوی صاحب کو انکار تھا چنانچہ اپنی کتاب تشرف المہادی ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۴ھ کے صفحہ ۳، سطر ۱۲ میں خود لکھتے ہیں۔

"میں نے جو بعض رسائل میں اسکی نفی کی ہے تو وہ اسپر مطلع ہونیکے قبل ہے بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہو اور مجھ کو سند کا علم نہیں"

لیجئے! پھر بھی ابھی یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ سند کا علم نہیں حالانکہ خود اسی کتاب تشرف میں اسکو ابو موسیٰ مدینی کی حدیث اور (سند کیلئے) کتاب فضائل اللیالی والایام کے حوالے درج کیا ہے۔ عبارت حدیث یہ ہے۔

ابوہریرہ کی حدیث۔ جو شخص رجب کی ستائیس کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ساٹھ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گے اور وہ، وہ دن ہے جسمیں جبرئیل علیہ السّلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مراد ہے مثلاً معراج کیلئے) روایت کیا اسکو ابو موسیٰ مدینی نے کتاب فضائل اللیالی والایام میں شہر بن حوشب کی روایت سے وہ ابوہریرہ سے	الحدیث - حدیث ابوھریرہ من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ لہٗ صیام ستین شھرا وھو الیوم الذی ھبط فیہ جبریل علیہ السّلام علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابو الموسیٰ المدینی فی کتاب فضائل اللیالی والایام من روایۃ شھر بن حوشب عنہ (دیکھئے کتاب تشرف صفحہ ۳)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم اس معاملہ میں قابل تعریف ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب تشرف میں بہت سی ایسی حدیثوں کو جن کو ضعیف کہا جاتا ہے اپنی طریقہ استدلال سے قوی ثابت فرمایا ہے۔ اب نفس حدیث کے متعلق حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال شکا رجل من الانصار الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واومأ بیدہ الی الخط (ترمذی تیسیر صفحہ ۹۴ و قول فیصل ص۶)	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا ایک انصاری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی پھر کہا یا رسول اللہ آپ سے حدیث سنتا ہوں اور مجھے پسند آتی ہے اور مجھے یاد نہیں رہتی فرمایا اپنے ہاتھ سے مدد لے اور لکھنے کا اشارہ فرمایا۔
عن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ قال کنت اکتب کل شیء سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنھتنی قریش وقال اتکتب کل شیء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الرضی والغضب فامسکت عن الکتابۃ حتی ذکرت ذالک لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاوما باصبعہ الی فمہ وقال اکتب فو الذی نفس محمد بیدہ ما یخرج منہ الا الحق (ابوداؤد وکتاب تیسیر الوصول صفحہ ۹۲ وکتاب قول فیصل صفحہ ۵)	عبد اللہ ابن عمر بن العاص سے روایت ہے کہا میں لکھ لیا کرتا تھا جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن لیا کرتا تھا مجھے بعض قریشیوں نے منع کیا اور کہا کیا تم ہر چیز لکھ لیتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آدمی ہیں غصہ میں بھی بات کرتے ہیں اور خوشی میں بھی تو میں نے لکھنے کو روک دیا یہانتک کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے اونگلی سے دہن مبارک کیطرف اشارہ کیا اور فرمایا لکھو۔ اس خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اس سے صرف حق بات نکلتی ہے

اس حدیث میں یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ میرے منھ سے جو بات نکلتی ہے وہ حق ہی بات نکلتی ہے۔ یہ ارشاد قرآن شریف کی اس آیت کے تحت ہے۔

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (۲۷واں پارہ سورہ والنجم)	(محمدؐ) اپنی طرف سے نہیں بولتے (جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے

ایسی صورت میں جو کوئی حدیثوں کو نہ مانے، وہ گویا خدا کی وحی سے انکار کرتا ہے۔

تبرکات کی زیارت

آج اگر تبرک کے طور پر بزرگوں کی کوئی چیز رکھی جائے تو اُس پر اعتراض کیا جاتا ہے حالانکہ خود قرآن شریف میں تبرکات اور اُس کے صندوق کا تذکرہ ہے۔

وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ و اٰل ھارون تحملہ الملٰئکۃ ان فی ذالک لاٰیۃ لکم ان کنتم مومنین ۵ سورہ بقر پارہ سیقول (تفسیر حقانی صفحہ ۹۶) و تفسیر مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۷۰	اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جسمیں تمہارے رب کیطرف سے تسکین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جنکو آل موسیٰ و آل ہارون چھوڑ گئے ہیں اسکو فرشتے اٹھا کر لائینگے۔ اگر تم مومن ہو تو اس میں تمہارے واسطے پوری نشانی ہے۔

اسی تفسیر حقانی کے صفحہ ۱۰۱ میں ہے کہ اس تابوت سکینہ میں (یہ تبرکات تھے) کچھ منّ (یعنی آسمان سے جو کھانا منّ وسلویٰ اُترا تھا اُسکا کچھ حصّہ) اور وہ لوحیں جو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر ملی تھیں۔ اور ہارونؑ اور موسیٰؑ کے کچھ کپڑے اور عصا (موسیٰ کی لاٹھی)

آپ نے غور کیا ان تبرکات میں ہارونؑ اور موسیٰؑ کے کپڑے بھی تھے۔ پھر اگر ہم خرقہ مبارک یا جبہ شریف کو تبرک سمجھ کر اپنے دلکو تسکین دیتے ہیں تو کون سا گناہ ہوگیا۔ حالانکہ اس صندوق کا نام ہی تابوت سکینہ (تسکین والا صندوق) تھا جس میں وہ تبرکات رکھے تھے۔

حضورؐ کا جبہ مبارک

اکثر مقامات پر حضورؐ کے جبہ مبارک کی زیارت ہوتی ہے۔ کتاب بے مثل بشر کے صفحہ ۱۸۱ میں ہے۔

اخرج مسلم وابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ عن اسماء بنت ابی بکر انھا اخرجت جبۃ طیالسیۃ ای ذات اعلام خضر وقالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یلبسھا و نحن نغسلھا للمرضی فنستشفی بھا (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)	مسلم ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک جبہ طیالسی جسمیں کچھ سبز خط تھے (یا بوٹیاں) نکالا اور کہا اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنتے تھے۔ ہم اسے بیماروں کو بغرض شفا دھو کر پلاتے ہیں خدا انھیں شفا دیتا ہے (مسلم مصری جلد دوسری صفحہ ۲۰۷)

حضورؐ کے بال مبارک

اسی طرح بعض جگہ حضور کے بال مبارک کی زیارت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے بال مبارک اکثر

صحابہ کو تقسیم فرماتے تھے۔ اس کے متعلق دو حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

اخرج الامام احمد وابو داؤد واللفظ للامام احمد عن انس بن مالک انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منزلہ بمنیٰ ثم قال للحلاق خذ فبدأ بالشق الایمن فوزع الشعرۃ والشعرتین بین الناس ثم قال بالایسر فصنع مثل ذالک ثم قال ھھنا ابو طلحہ فدفعہ الیہ۔ اخرج مسلم عن انس قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والحلاق یحلقہ واطاف بہ اصحابہ فما یریدون ان تقع شعرۃ الا فی ید رجل (صحیح مسلم مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۴۹۹ و ابو داؤد مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۲۷۹

امام احمد اور ابو داؤد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام کے لفظ یہ ہیں کہ ایکدفعہ آپ جب بتقریب حج منا میں ایک منزل پر تشریف لائے تو آپ نے ایک حلاق (سر مونڈنے والے) کو بلایا اور سر کے دائیں جانب کے بال ایک ایک دو دو کرکے سب صحابہ میں تقسیم کر دیے پھر بائیں جانب حلاق کیطرف پھیر دی اور فرمایا ابو طلحہ کہاں ہے اور اس طرف کے سارے بال اُسکو عطا کر دیے اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حلاق آپ کے سر کے بال اُتار رہا ہے اور صحابہ گرد ہو رہے ہیں کہ حضور کا کوئی بال بھی زمین پر نہ گرے ہم میں سے کسی نہ کسی ایک کے ہاتھ آجائے

نشان قدم مبارک

اسکی بھی بعض مقام پر زیارت ہوتی ہے۔ کتاب "بے مثل البشر" کے صفحہ ۱۳۵ میں ہے کہ:

اخرج البیهقی عن ابی هریرۃ وابن عساکر عن ابی امامۃ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا مشی فی الصخر غاصت قدماہ فیہ	بیہقی نے ابی ہریرہ اور ابن عساکر نے ابی امامہ سے روایت کیا کہ آپ کبھی اتفاقاً پتھروں پر چلتے تو آپکے پائے مبارک کے نشان اُنپر لگ جاتے تھے یعنی وہ آپکے پاؤں کے نیچے نرم ہوجاتے تھے

اسی کتاب بے مثل بشر کے صفحہ ۱۳۸ سطر ۲۱ میں یہ عبارت ہے۔

قال الشہاب الخفاجی فی شرح الشفا انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان فی بعض الاحیان اذا مشی غاص قدمہ فی الحجارۃ بحیث بقی ذالک الی الآن وارتسم فیہا شاہد بعینہ والناس تتبرک بہ وتزورہ وتعظمہ کما فی بیت المقدس ونقل منہ فی مصر فی اماکن متعددہ	شہاب خفاجی نے شرح شفا میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض دفعہ جب ننگے پاؤں چلتے تھے تو پتھر آپکے قدوم مبارک کے نیچے نرم ہوجاتے تھے چنانچہ وہ پتھر جہاں جہاں تبرکاً محفوظ چلے آئے ہیں اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں۔

اسی کتاب بے مثل بشر کے صفحہ ۱۳۶ میں ہے کہ مقام عرفہ سے تین میل پر ذی المجاز ایک جگہ ہے وہاں آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تھے اُنھوں نے پیاس کی حکایت کی آپ نے ایک پتھر کو ٹھوکر ماری پانی نکلنے لگا۔ ابوطالب نے اچھی طرح پانی پی لیا تو آپنے پائے مبارک سے پتھر کو دبا دیا پانی بند ہوگیا۔ اسی طرح بصفحہ ۱۳۷ بحوالہ بخاری لکھا ہے کہ ایک بار آپ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ اُحد پہاڑ پر تھے۔ پہاڑ کانپنے لگا تو آپ نے اُس پر پاؤں مارا اور فرمایا ٹھہر ارہ تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں

اس سے حضورؐ کا علم غیب بھی ثابت ہوگیا کیوں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بعد کو شہید ہوئے۔

حضورؐ کی ایک حدیث ہے الشیخ فی القوم کالنبی فی الامۃ یعنی قوم میں شیخ (یعنی مرشد) ایسا ہی ہے جیسے امت میں نبی۔ اسی لیے ہم اُن کی تعظیم کرتے ہیں اور اُن کے لباس کو تبرک سمجھتے ہیں۔ یہ حدیث الشیخ فی القوم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی اپنی کتاب تشرف میں لکھی ہے (دیکھیے تشرف صفحہ ۳۔ الہادی رجب ۱۳۴۳ھ

تعظیم موئے مبارک اور چند اشعار

جمادی الآخر ۱۳۰۷ھ کے 'الحق' نامی رسالہ میں (جو حیدرآباد سے نکلتا ہے) بسلسلہ تذکرہ آثار نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جگہ جگہ مضمون نگار صاحب نے موئے مبارک کی تعظیم کی تردید کی ہے۔ اور عقلی ثبوت طلب کیا ہے۔ حالانکہ ایڈیٹر صاحب رسالہ تجلی (دیوبند) نے (جن کا مضمون نقل کیا گیا ہے) تقریباً وہ تمام حدیثیں خود ہی بیان کی ہیں جن سے موئے مبارک کی تقسیم اور تبرک شامل ہے۔ پھر بھی خود تجلی کے ایڈیٹر صاحب کو اصرار ہے کہ موجودہ زمانہ میں جہاں جہاں موئے مبارک ہیں۔ اُن کے متعلق عقلی ثبوت کیا ہے کہ یہ آنحضرت ہی کے ہیں۔

عقلی دلیل مانگنے والوں سے سوال ہے کہ سیکڑوں رسول آئے۔ لاکھوں نبی آئے پھر دنیا سے بدی کیوں دور نہ ہوئی؟ اسکی عقلی علت کیا ہے؟ دراصل ہر جگہ عقل کا سوال بے محل ہے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دیوانے ہیں اُن کیلئے رسول کی نسبت ہی کافی ہے۔ حضرت زبیرؓ جو حضرت علی کے خلاف جنگ میں مصروف تھے اُنکو خواب والے واقعہ سے اپنی غلطی محسوس ہوئی۔ پھر جب لبِ دم ہوئے تو ایک شخص کے متعلق یہ معلوم کرکے کہ یہ حضرت علی کی فوج کا سپاہی ہے اُسی کے ہاتھ پر بیعتؔ کرلی کیونکہ اُس وقت وہ حضرت علی تک پہنچ نہ سکتے تھے اور رحلت فرمائی۔ کیا یہاں حُبّی نسبت کارفرما تھی۔

حضرت اویس قرنی جنھوں نے آنحضرتؐ کی محبت میں اپنے تمام دانت توڑ ڈالے کہ نہ معلوم کونسا دانت شہید ہوا اُنھوں نے یہ سب محض نسبت حُبّی سے کیا اور اسی نسبت حُبّی سے خدا نے اُن کو اس درجہ پر پہنچایا کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ حضرت اویسؓ سے جاکر ملنا اور اُمت کیلئے دعا کرانا۔ ظاہری ملنے والوں میں ان کا نمبر کیوں بڑھ گیا اسی وجہ سے کہ انہیں محبت کی نسبت بدرجہ خاص کارفرما تھی۔

فرض کیجئے جوتے کا ایک تسمہ ہے اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ تسمہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پائے مبارک سے مَس ہوا ہے تو ہم اُسکو بنظر محبت آنکھوں سے لگائینگے (چاہے وہ کسی جانور کے چمڑے کا ہو) واقعہ یہ ہے کہ عقل والوں کے یہاں جھوٹے الزام تراشی بحث مباحثہ اور مخالفت کرنا، تفرقے ڈالنا یہی چیزیں طرۂ امتیاز ہیں۔ لیکن محبت کی نسبت والوں کے یہاں موافقت ہی موافقت ہے۔ اور ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی کے تحت دنیا میں نسبت ہی پر محبت کی بنیاد ہے۔ ان کو حجت اور دلیل سے کوئی غرض ہی نہیں ہوتی۔ مذکورالصدر آیت میں اسی بے نفسی کا تذکرہ ہے جسکو حضرت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ۲۴ ویں وعظ میں بیان فرمایا ہے (دیکھئے جلد دوم

لہ تاریخ اسلام سلہ کتاب تابعین صفحہ ۳۵۔

ملفوظ کبیر صفحہ ۳۴) اور محبت ہی کو اصل فرمایا ہے بقول حضرت مولانا روم ؒ ؎

از محبت تلخہا شیریں شود از محبت مسہا زریں شود

از محبت دُردہا صافی شود از محبت دردہا شافی شود

از محبت سرکہا مُل میشود از محبت خارہا گُل میشود

رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ یا رسول کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس سے ہمارا یہ ہرگز غرض نہیں کہ رسول کو خدا کا درجہ دیدیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شریعت کے حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے یعنی رسول کو رسول۔ خدا کو خدا سمجھتے ہوئے جس خصوصیت کو اللہ نے اپنی آیتوں میں بیان فرمایا ہے اُن کو پیش نظر رکھکر رسول کی محبت میں گریاں بریاں رہ کر ہم حبی[۱] نسبت کو تازہ رکھیں ؎

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

بعض لوگ حضرات صوفیہ پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ مرشدوں کی یہ تعلیم ہے کہ ہم میں خدا حلول کیے ہوئے ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ تصوف کی کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے اور نہ کسی صوفی کی یہ تعلیم ہے۔ یہ افترا اور بہتان ہے۔ بے علموں کا تذکرہ ہی فضول ہے حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر ؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیامت میں مجھے خدا نے ذرا بھی اختیار دیا تو میں پہلے ان بے علم صوفیوں سجادہ نشینوں سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

خدا نور ہے۔ چنانچہ اللہ نور السموات والارض والی آیت سے ہر طرح ثابت ہے اللہ کی ذات ایسی نہیں کہ ہر فرد بشر اُس کے وحی والہام کی برداشت کر سکے۔ اللہ کی عظمت وبرتری ایسی نہیں کہ ہر ایک سے وہ کلام فرمانے لگے۔ اللہ نے خود قرآن شریف میں فرما دیا ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب ط

---

[۱] حبی نسبت کے متعلق یہ حدیث ہے المرءُ مع من احب یعنی انسان اوسی کے ساتھ ہے جس سے محبت ہو۔

(۲۵ واں پارہ سورۂ شوریٰ) یعنی کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ اُس سے کلام کرے مگر بطور وحی کے یا پردے سے۔

یعنی راست خدا سے استفادۂ کلام ممکن نہیں۔ نہ کوئی اُس کے جمال کی تاب لاسکتا ہے۔ (بلا تشبیہ عرض ہے) لائٹ یا آفتاب کی طرف آپ دیکھئے تو آنکھیں چوندھیا جائینگی۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ آپ اُسکی روشنی کو دیکھئے یعنی اللہ کے نور کو دیکھئے اور وہ نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کا دیکھنا کیا ہے یہی کہ سیرت رسول اور آثار رسول سے انتہائی محبت ہو۔

اوّل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ موئے مبارک ورثہ میں ہم کو اپنے بزرگوں سے پہنچے ہیں اور اُن کو اپنے بزرگوں سے یہ نعمت ملی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے بزرگ جھوٹے نہ تھے، وہ خدا سے ڈرتے تھے۔ گریاں بریاں ہوجاتے تھے۔ جاہل نہ تھے۔ نہ صرف پڑھے لکھے بلکہ عالم فاضل متقی اور پرہیزگار تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ کسی بات کو آنحضرت کی طرف غلط طور پر منسوب کردینا بڑا گناہ ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانہ دوزخ ہے اسلئے ان کیطرف کسی بُرے کردار کا شبہہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

صفحہ ۲۶ سطر ۱۴ میں مضمون نگار صاحب نے موئے مبارک کی تعظیم کو چاند سورج اور بت کی مثال دیکر خدا مان کر معصیت ہونا بیان کیا ہے تو یہ الزام سراسر غلط ہے۔ چاند سورج بت یا خدا مان کر کوئی تعظیم نہیں کرتا۔ بلکہ شریعت کے مقررہ حدود میں تعظیم کی جاتی ہے۔

اسی طرح صفحہ ۲۷ میں نلکی سے موئے مبارک نکلنے وغیرہ کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس سے صاف موئے مبارک کی توہین لازم آتی ہے۔ یہ گویا مذاق اُڑایا گیا ہے

اللہ سمجھ دے۔ اور کیا کہا جائے۔ بھلا ہم اہل سنّت والجماعت موئے مبارک کو خدا کیوں سمجھیں گے۔ خدا خدا ہے بندہ بندہ۔

حضرت محی الدین عربیؒ جو تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ وہ اپنی تفسیر میں کیا لکھ رہے ہیں دیکھئے۔ اہم استدلال ہونے کی وجہ سے صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن نے بھی اسکو چودھویں پارہ کی تفسیر صفحہ ۱۴۱ میں یوں لکھا ہے:-

"فی الغرائس قولہٗ تعالیٰ فلا تضربوا للہ الامثال۔ اس میں قدم کی پاکی حدوث سے بیان فرمائی کہ کوئی چیز جو حادث ہے اسکو کسی طرح ذات پاک قدیم سے مشابہت نہیں ہے۔ پس ضرب المثل ممکن نہیں ہے اور اسمیں اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے سخت محبت رکھتے ہیں بقولہٖ تعالیٰ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ اشارت ہے کہ مقام محبت وعشق میں شواہد التباس سے قدیم کو منزہ و پاک رکھیں اور اسکی حقیقت ذات کو اوہام واشارات وعبادات وضرب الامثال سے پاک و منزہ رکھیں قدیم وہ تو قائم بذات خود ہے اور مخلوقات کے ادراک سے ممتنع ہے لیس جو مثال بیان کیجائے جب اسکو نظر حقیقت سے دیکھو تو اسکی ذات و صفات سے خارج ہوگی"۔

پھر اب بتائیے! تصوف والے مرشد کو یا موئے مبارک کو خدا کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو غلطی نظر نہیں ہوسکتی۔ خدا جسم سے پاک ہے۔ بندہ جسم والا ہے، پھر بندہ۔ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تخیل ہی غلط اور سراسر الزام ہے۔ جہاں کچھ الجھن نہ چل سکا۔ نفسانیت سے سجدہ کرنے یا خدا ماننے کا الزام تھوپ دیا۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظوں میں لکھا ہے کہ منصور نے بڑی غلطی کی۔ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو اُن کو راہ راست پر لاتا۔ اک ذرا سا جلوہ نظر آیا تو کم ظرفی سے انا الحق کہہ دیا۔ اس لیے کسی کی غلطی کسی کی لغزش کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

حضرت شمس تبریزؒ نے حضرت مولانا رومؒ سے پوچھا کہ آنحضرتؐ تو فرماتے ہیں ما عرفناک حق معرفتک اور بایزید بسطامی کا سبحانی ما اعظم شانی قول ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ مولانا رومؒ نے جواب دیا کہ بایزید کا ظرف اتنا اعلیٰ نہ تھا اس لیے پیمانہ چھلک گیا اور یہ جملہ بیخودی میں زبان سے نکل گیا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظرف (قاب قوسین او ادنیٰ کے باوجود) اعلیٰ سے بھی اعلیٰ تھا۔ معرفت حق کے سمندر پی جاتے تھے اور پھر بھی یہی ارشاد ہوتا کہ ما عرفناک حق معرفتک (پہچاننے کا جو حق ہے ویسا نہیں پہچانا) حضرت شمس تبریزؒ نے تسلیم کرلیا کہ واقعی یہی بات ہے۔

اصل یہ ہے کہ جن لوگوں کی آنکھوں میں حق کی نہیں۔ مخالفت اور ناحق الزام کی عینک لگی ہوئی ہے اُن کو ہمیشہ یہی نظر آتا ہے کہ خدا مان کر سجدہ کیا جارہا ہے یا خدا مانا جارہا ہے۔ تاکہ اُمت میں تفرقے ہی پڑتے رہیں۔ اور کبھی اتفاق نہ ہو اسی لئے اپنی باضابطہ جماعت علاحدہ بنا رکھی ہے۔

جب راست خدا کسی سے کلام نہیں فرماتا سوا وحی اور پردے کے (جیسا کہ اوپر والی آیت سے ظاہر ہے) تو اب اسکی ضرورت ہوئی کہ ہم وحی والے کا دامن پکڑیں اُسی کو ملجاو ماوا سمجھیں تبھی اللہ کے کلام سے استفادہ ہوسکتا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات مبارک ہے اسلیے خود خدا کے ارشاد ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی کے تحت سیرت رسول اور آثار رسول سے محبت کرتے ہیں اور ہر صورت میں حدود شریعت کے پابند رہتے ہیں

لیکن شریعت کی ایسی پابندی جسمیں رسول سے محبت نہ ہو رسول کی تعظیم سے نفرت ہو تو یہ مذکور الصدر آیت کے منافی ہے۔ اسی آیت ان کنتم تحبون اللّٰہ کی تفسیر سے صاحب مواہب الرحمٰن نے رسول کی محبت کی نسبت یا ارادت کو تازہ فرمادیا ہے۔ چودھویں پارہ کی تفسیر مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۱۳۳ سطر ۳ کی عبارت یہ ہے۔

"حدیث میں اشارہ ہے کہ عند ربی یطعمنی ویسقینی یعنی اپنے رب کے حضور میں رات گذارتا ہوں درحالیکہ وہ مجھے کھلاتا و پلاتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ سبب ورود اس حدیث کا یہ ہے کہ آنحضرت پے درپے کئی روز تک روزہ رکھتے تھے تو بعضے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قصد کیا کہ سرکار دو عالم کی پیروی میں اسی طرح روزے رکھیں پس آپ نے منع فرمایا۔ انھوں نے جانا کہ ہم پر شفقت کرکے منع کرتے ہیں۔ مگر ہم یہ فضیلت پائیں تو آپ نے متواتر کئی روز تک روزہ رکھا مگر لوگوں سے نہ ہوسکا اور وہ بالکل نیم جان ہوگئے تب آپ نے یہ حدیث فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچے کہ رب عزوجل تم کو کھلائے پلائے اور میں اس حال میں ہوں پس تم اس عمل میں میرے ساتھ مت دوڑو۔ سبحان اللہ! کیا اعلیٰ شان تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شیخ نے لکھا ہے کہ جس نے ایک قطرہ اس شربت سے بصفت جذب محبت پی لیا وہ علتہائے نفسانیہ وامراض شیطانیہ سے پاک ہوگیا۔ اور انوار ربوبیت میں پرورش پاکر آئینہ کے مثل پاک اور نور سے تندرست ابدی ہوگیا کیونکہ یہ شربت وصال انھیں بندوں کو دیا جاتا ہے جن کو دل و جان سے ارادت ہے (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنکی نسبت ہے)

اور اُس کے تن سے عبودیت کا موم پیدا ہو کر معارف و کواشف سے خاص ہو جاتا ہے۔ اس سے ہر مرید و سالک کو راہ ملتی ہے و قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اس سے تم کو اللہ کی محبت حاصل ہوگی۔

جن اشعار کو مہمل بتایا گیا اُنکی شرح

اسی طرح الحق رسالہ میں مسلمان شعرا کے بعض اشعار کو مہمل یہ تخیل کا خطاب دیا گیا ہے جو العلم حجاب الاکبر کا باعث معلوم ہوتا ہے۔ جب اللہ کا کلام تشریح اور تفسیر کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکا تو انسانی کلام کی تشریح کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہو سکتی۔

نفائس المنن یعنی سیرت علی جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ میں حدیث ہے کہ "میرا ہاتھ اور علی کا ہاتھ انداز سے میں برابر ہے" چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں دیں تو اُس نے کہا جتنی آنحضرت صلعم نے کھجوریں دی تھیں اُتنی ہی لوں گا۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رض کو اس کا علم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اور حضرت علی مرتضیٰ کا ہاتھ انداز سے میں برابر ہے اس لیے اُنھوں نے اس آدمی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پاس بھجوا دیا۔ حضرت علی نے اپنے ہاتھ سے اُسکو کھجوریں دیدیں وہ خوش ہو گیا کیونکہ تعداد میں یہ اتنی ہی نکلیں جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ میں حدیث ہے "علی کا گوشت میرا گوشت ہے اور اُن کا خون میرا خون ہے"۔ مثنوی میں مولانا روم ؒ نے یہ حدیث لکھی ہے جو دوسری معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے کہ "یا علی انت منی وانا منک" یعنی اے علی تو مجھ سے ہے میں تجھ سے۔ ان تینوں حدیثوں

میں جس نسبت و کیفیت کا تذکرہ ہے اس کو اگر حضرت خسروؒ نے اس طرح نظم کر دیا کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں ، من دیگرم تو دیگری

تو کیا گناہ کیا۔

خدا ارشاد فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یہاں رسول کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ اگر اس کو مذکورہ الصدر شعر کے تحت اپنے اپنے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے بیان کیا جائے تو کیا ہرج ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن اگرچہ آنحضرتؐ کی زبان سے ہم لوگوں تک پہنچا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں تو شرع شریف کے لحاظ سے وہ کافر ہے۔ نتیجہ یہ کہ اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان خدا کا کلام ہے۔ اس تخیل کو جذبہ محبت کے تحت اگر کسی نے اپنے ذوق و وجد میں "من تو شدم تو من شدی" کہہ دیا تو اسکو مہمل کہہ دینا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن شریف کی آیت ہے ید اللہ فوق ایدیھم اس آیت میں رسول کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے پھر کیا اس پر "من تو شدم تو من شدی" کا شعر صادق نہیں آسکتا؟ اسی طرح خدا نے فرمایا ہے، ما رمیت اذ رمیت ولاکن اللہ رمی یعنی اے رسول جس وقت آپ نے خاک اٹھا کر پھینکی تو وہ آپ نے اٹھا کر نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے خاک اٹھا کر پھینکی تھی۔ یہاں بھی اللہ نے آنحضرتؐ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ پھر اس لحاظ سے کیا من تو شدم تو من شدی کا تخیل بے معنی کہا جائے گا۔

"نجد سے سینگ نکلیگا" والی حدیث کی وجہ سے وہابیوں کے دلمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف سے کپٹ ہے۔ اور حضرات صوفیہ سے خواہ مخواہ بلاوجہ حسد اور بغض وعداوت ہے۔ اس لیے اُن کے یہاں اس مقدس طبقے کی ہر بات پر اعتراض کرنا گویا بڑی کامیابی ہے۔ اب اور اشعار کی شرح سنیے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند ٭ وز جدائیہا شکایت میکند۔ اور۔ من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی ٭ نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی ٭ سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی ٭ ان تمام جدائی والے اشعار سے اس حدیث کیطرف اشارہ ہے جسکو مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب تشرف کے صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:۔

"ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نوجوان بنی اسرائیل میں ایک پہاڑ پر تھا اُس نے اپنی ماں سے (کہ وہ بھی وہاں تھی) پوچھا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا (یہ نہیں کہ وہ جانتا نہ تھا بلکہ اپنے محبوب کا نام سننے کیلئے پوچھا کہ سننے میں اور ہی لطف ہے) اُس نے کہا اللہ نے (پیدا کیا) اس حدیث میں یہ بھی کہ پھر اُس نے اپنے کو پہاڑ سے گرا دیا۔ اور پاش پاش ہو گیا"۔

دیکھئے میرم چو رخ نمائی کا یہ مطلب ہے۔ ایڈیٹر صاحب الحق کیا جانیں۔ اُنھیں تو اُمت میں بس تفرقہ ڈالنا آتا ہے۔

اوپر والے واقعہ سے ثابت ہے کہ پہاڑ سے گرنے والے نے اللہ کو محبوب سمجھا۔ محبوب ہی کو جاناں کہا جاتا ہے۔ اسکو اپنے ذہن میں محفوظ رکھئے اب سنئے۔ نماز کے متعلق مشہور حدیث ہے

ان تعبد ربك كانك تراه (ترجمہ) تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا اُسکو دیکھ رہے ہو۔ اس لحاظ سے کسی شاعر نے اگر یہ کہہ دیا ؎ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے۔ تو کیا برا کیا۔ اب ایک دوسرے نقطہ نظر سے اسکو سمجھئے۔ اگر اس سے تصورِ شیخ مراد لیا جائے تو بھی درست ہے۔ جناب مولوی اشرف علی تھانوی ؒ نے اپنی کتاب تربیت السالک جلد دوم کے صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے کہ "جس کا تصور اللہ کے واسطے ہو وہ مثل تصور اللہ ہی کے ہے"۔ ناچیز درد کی عرض ہے کہ اوپر والی حدیث کانک تراہ سراسر تصور کی تعلیم ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام سے جب گناہ سرزد ہوا۔ جنت سے باہر کیے گئے۔ تو اللہ کی ناراضگی وغیرہ کی بنا پر عرصہ تک روتے رہے لیکن اللہ نے توجہ نہیں فرمائی اس حالت کو کسی شاعر نے اس طرح نظم کر دیا ہے ؎

غرورِ حسن اجازت مگر نہ داد اے گل ۔ کہ پرسشے بکنی عندلیب شیدا را

اسی طرح جب حضرت آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہو گئی تو اُس وقت کی کیفیت اور حالت کو کسی شاعر نے یوں نظم کر دیا ہے ؎ تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں۔ یا۔ نازت بکشم کہ نازنینی —— غرض وہابیوں کو اہلسنّت والجماعت سے حسد ہے۔ اسواسطے وہ آئے دن نئے نئے انداز میں نیش زنی کرتے رہتے ہیں۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین ست ۔ مقتضائے طبیعتش این ست

مولوی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اپنے ترجمان القرآن ص۱۳ کے حاشیہ میں حضرت نوح کی کشتی کے حال کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ارسطو کا شاگرد ایبڈینوس بھی اپنی تاریخ میں اسکی تصدیق کرتا ہے

نیزدہ اپنے زمانہ کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بہت سے لوگوں کے پاس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنھیں وہ گھول گھول کر بیمار دنکو پلاتے ہیں“ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کشتی کے ٹکڑوں کے مَس کیے ہوئے پانی کو بیمار پیتے ہیں تو اُن کو شفا ہو جاتی ہے۔

آنحضرتؐ کا دافع البلا ہونا

درود تاج میں رسول مکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دافع آلبلا کا لفظ آیا ہے اس پر بہت سے لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف سے آنحضرتؐ کا دافع البلا ہونا ثابت ہے۔

ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم ط	اللہ کافروں پر عذاب نہ کرے گا جبتک آپ ان میں موجود ہوں

مومن مسلم تو الگ رہے۔ کافروں کیلئے بھی اللہ کو یہ منظور نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن میں موجود ہوں اور اللہ عذاب کی بلا نازل کرے اب آپ کا دافع البلا ہونا ثابت ہوا یا نہیں۔ ایک اور آیت ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع (پارہ ۱۷، ثمنٹ کے بعد)	اگر اللہ آدمیوں سے آدمیوں کو دفع نہ کرے تو عبادت گاہیں منہدم ہو جائیں۔

ربط عبارت سے یہ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ نیک آدمیوں کیوجہ سے بد آدمیوں کی بلاؤں کو دفع نہ کرے تو ایسی بلا نازل ہو کہ عبادت گاہیں ڈھیر ہو جائیں۔ اب ذرا غور فرمائیے۔

رسول نہیں۔ نبی نہیں۔ عام بندوں میں جو نیک لوگ ہیں۔ جو صالح ہیں، جو اللہ والے ہیں، جو مقبول بندے ہیں۔ اُن کی وجہ سے خدا بلاؤں کے دفع ہونے کا ذکر فرما رہا ہے جب مقبول بندوں کی یہ برکت ہے تو پھر جو اللہ کا محبوب ہو۔ رسولوں کا سردار ہو نبیوں کا پیشوا ہو وہ دافع البلا کیوں نہ ہوگا۔ اسی قسم کی ایک آیت اور ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولٰکن اللہ ذو فضل علی العلمین (آخر آیہ سیقول)	اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو ایکدوسرے سے تو بیشک زمین تباہ ہو جاتی۔ لیکن اللہ سارے جہان پر فضل کرنیوالا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ نیک لوگوں کی وجہ سے بُروں کی بلا دفع کرتے ہوئے اللہ فضل فرماتا ہے۔ ورنہ یہ بدلوگ تو چاہتے ہیں کہ زمین پر فساد ہوتا رہے۔ رسول اور نیک لوگوں کی وجہ سے بلا دفع ہونے کے متعلق ہم تین آیتیں پیش کر چکے۔ اب حدیثیں سنئے:

ان اللہ لیدفع بالمسلم الصالح عن مأتہ اھلبیت من جیرانہ البلا کتاب الامن والعلا صفحہ ۲۳ بحوالہ کتب احادیث)	اللہ نیک مسلمانوں کے سبب اسکے ہمسایہ سے سَو گھر والوں کی بلا دفع فرماتا ہے۔
لایزال اربعون رجلا من اُمتی قلوبھم علی قلب ابراھیم یدفع اللہ بھم عن اھل الارض یقال لھم الابدال (کتاب الامن والعلےٰ ص۲۹ بحوالہ کتب احادیث)	میری اُمت میں ۴۰ مرد ہمیشہ رہیں گے کہ اُنکے دل ابراہیمؑ کے دل پر ہوں گے اللہ اُنکے سبب زمین والوں سے بلا دفع کردے گا ابدال ان کا لقب ہوگا۔

بندوں کے دافع البلا ہونے کے متعلق تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ سیقول کا صفحہ ۲۰ ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے ہماری تائید ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث ہے۔

اذا طلعت الثریا امنت الزروع من العاھۃ (تجرید الاحادیث ۲۲ بحوالہ طبرانی)	جب ثریا ستارہ نکل آئے تو کھیت آفت سے بچ جاتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیے! جب اللہ نے نیک بندوں اور ثریا ستارے کو **دافع البلا** بنایا ہے تو پھر نیکوں کے سردار جن کی ذات ثریا ستارے سے بھی زیادہ روشن ہے وہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **دافع البلا کیوں نہ ہوئے**۔

فاتحوں میں درود تاج پڑھنے پر جو لوگ اعتراض کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کو دافع البلا کیوں کہا اُن کو یہ حدیثیں دیکھنا چاہیئے۔ جس کسی نے درود تاج مرتب کیا ہے خدا اُسکو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ خوب لکھا ہے۔ الفاظ کی نشست، سلاست، اور روانی اپنے اندر کمال کشش رکھتی ہے۔ ہر ہر فقرہ۔ ہر ہر لفظ نگینے کیطرح جڑا ہوا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ٹپک رہی ہے۔ تمام عبارت سرکار دو عالم کی تعریف اور تعظیم میں ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے اسکو پڑھنے کو لازمی اور باعث اجر بتایا ہے یہ اس آیت کے تحت ہے۔

وتعزروہ وتوقروہ (سورہ فتح ۲۶ واں پارہ)	اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو

اس آیت کے تحت اگر کسی نے آنحضرت کی شان کے متعلق درود تاج میں کچھ تعظیمی الفاظ بڑھائے تو کیا گناہ کیا یہ تو اس آیت کی تعمیل میں ثواب کا کام ہے۔ افسوس ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں غلط خیالات ہوں اُن کو آنحضرت صلعم کی تعظیم ناگوار گزرتی ہے۔ اس کا کیا علاج۔ خدا ہدایت دے گر نیک۔ اور کلمہ طیب سے یہ پاک خیال والے ہو جائیں۔ تبھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کو پاک نفع پہنچا۔

غلط خیالات یہ ہیں کہ بد اعتقاد (وہابی) لوگوں کے دو عقیدے خاص ہیں۔

۱۔ خدا جھوٹ بول سکتا ہے[1] (۲) خدا محمد کا ایسا دوسرا انسان پیدا کر سکتا ہے[2] کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان بد اعتقاد بھائیوں سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جب خدا ہر چیز پر قادر ہے تو انسان جس راستہ سے آیا ہے اُسی راستے سے خدا واپس کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہوگا اگر آپ کے یہاں کوئی ایسی واپسی عمل میں آئی ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ ورنہ ہمارا عقیدہ اختیار کیجئے کہ اُسے قدرت ضرور ہے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔

مدد کرنا

غیب سے بزرگوں اللہ والوں کا مدد کرنا۔ اس کیلئے حدیثیں ملاحظہ ہوں:

لن تخلو الارض من اربعین رجلاً مثل خلیل الرحمٰن فبھم تسقون وبھم تنصرون (کتاب الامن والعلی صفحہ ۲۴ سطر ۱۲)	زمین چالیس مردوں سے ہرگز خالی نہ ہوگی۔ کہ ابراہیم کے مثل ہونگے انہیں کے سبب تمھیں بارش ملیگی اور انہیں کے سبب مدد پاؤگے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح نے اپنی کتاب الامن والعلی میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

" حدیث ۹ ۔ فرماتے ہیں (رسول) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ابدال شام میں ہیں اور وہ (۴۰) ہیں جب ایک مرتا ہے اللہ اُسکے بدلے دوسرا قائم کرتا ہے

[1] رسالہ یکروزی مولوی اسمٰعیل صفحہ ۱۴ [2] دیکھو ارشاد الطالبین وتقویت الایمان صفحہ ۳

یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب انھیں کے سبب مینھ دیا جاتا ہے انھیں سے دشمنوں پر مدد ملتی ہے انھیں کے باعث عذاب پھیرا جاتا ہے۔ احمد عن علی کرم اللہ وجہہ بسند حسن۔ دوسری روایت میں یوں ہے یصرف عن اھل الارض البلاء والغرق انھیں کے سبب اہل زمین سے بلا اور غرق (ہونا) دفع ہوتا ہے۔ ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث ۱۱۔ فرماتے ہیں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابدال شام میں ہیں بھم ینصرون ویرزقون وہ انھیں کی برکت سے مدد پاتے ہیں۔ اور انھیں کے وسیلے سے رزق پاتے ہیں) الطبرانی فی الکبیر عن عوف بن مالک وفی الاوسط عن علی ن المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کلاھما بسند حسن"۔

کتاب تجرید الاحادیث کے صفحہ ۳۲ میں ایک حدیث ہے جسمیں بخاری اور مسلم کا حوالہ درج ہے اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مدد کرنا بیان فرمایا ہے۔ یہ اور دوسری حدیثیں آپکے مدد کی بھی ملاحظہ ہوں۔

اشربوا الماء اعنیکم (بخاری ومسلم تجرید الاحادیث صہ ۳۲)	پانی پیو میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔
من کان اللہ فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ من فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ (صحیحین وسیرت النبی جلد ششم صہ ۲۱۲)	جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی مسلمان کی مصیبت دور کریگا تو اللہ قیامت کی مصیبتوں میں کسی مصیبت کو اُس سے دور فرمادے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

واللہ فی عون عبدہ ماکان العبد فی عون اخیہ (ترمذی و سیرۃ النبی جلد ششم صفحہ ۲۱۳)	اور اللہ اپنے بندے کی مدد میں اُس وقت تک رہتا ہے جبتک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے

اسی بنا پر اولیاء اللہ مدد کرنے پر تیار رہتے ہیں۔

احسن الانتخاب (یعنی سیرت علی جلد اول صفحہ ۳۳) میں ہے "اُحد کی لڑائی میں مشرکوں کے جو علمبردار تھے اُنکو حضرت نے قتل کر کے کفار کی جماعت کو منتشر کر دیا اس وقت حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس وقت جناب امیر کی تسلی کرنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انہ منی و انا منہ یعنی وہ میرا ہے میں اُس کا ہوں۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا انا منکما یعنی میں تم دونوں کا ہوں، پھر ایک آواز سنائی دی لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار"

اس کے بعد لفظ ذوالفقار پر حاشیہ ہے اور حاشیہ میں صراحت ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لافتیٰ والی آواز کا تذکرہ کرنے کے بعد مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے واقعہ ناد علی اسی معاملہ اور اسی معرکہ میں واقع ہوا مگر کتب احادیث میں اس کا ذکر نہیں۔ ناد علی یہ ہے:-

"ناد علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بنبوتک یا محمد و بولایتک یا علی (ترجمہ) علی کو پکارو جو مظہر عجائب ہیں۔ مصیبتوں میں اُنکی مدد ہم کو پہنچتی ہے۔ یا محمدؐ آپ کی نبوت اور علی کی ولایت سے تمام رنج و غم دور ہو جاتے ہیں"

(ناظرین کے لیے ہم نے ترجمہ لکھ دیا ہے اس کے بعد اسی کتاب میں یہ عبارت ہے) محدثین۔

علماء مشایخ کا یہ معمول رہا۔ موافق اقوال مشایخ اس کے منافع بہت ہیں۔ اعمال میں شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے آئی۔ اس وقت سے علما کے یہاں اخذ اجازت کا دستور ہوا چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے شیخ حدیث مولانا ابو طاہر مدنی سے اسکی اجازت لی۔

بہرحال مدد کرنا ثابت ہوگیا۔ اگر مدد کرنا جائز نہوتا تو انصار کا لفظ ہی وجود میں نہ آتا۔ بلکہ قرآن شریف میں تو انصار اللہ کا لفظ آیا ہے یعنی اللہ کے مدد کرنے والے۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ سے اللہ کے دین کی مدد کرنے والے اور اللہ کے بندونکی مدد کرنیوالے مراد ہیں کسی کی حاجت پوری کرنے اور مدد کرنے کی بابتہ یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن عمر رضی اللہ عنہ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن احب العباد الی اللہ تعالیٰ فقال انفع الناس للناس وعن افضل الاعمال فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادخال السرور علی قلب المؤمن یطرد عنہ جوعا او یکشف عنہ کربا او یقضی لہ دینا ومن مشے مع مسلم فی حاجتہ کان کصیام شھر واعتکافہ ومن مشی مع مظلوم یعینہ ثبت اللہ تعالیٰ قدمیہ علی الصراط یوم تزل الاقدام ومن کف غضبہ ستر اللہ عورتہ وان الخلق السیء یفسد

حضرت عمرؓ سے روایت ہے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بندوں میں اللہ کے نزدیک کون محبوب ہے فرمایا لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا عرض کیا گیا کہ کون سا عمل زیادہ افضل ہے فرمایا کہ مومن کے دل کا خوش کرنا یعنی اسکی بھوک دفع کرے یا اُس کے رنج کو دور کرے یا اُس کا قرض ادا کردے اور جو کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لیے اُسکے ساتھ گیا تو ایک مہینہ کے روزوں اور اعتکاف کا ثواب ہے اور جو کسی مظلوم کی مدد کیلئے اُس کے ساتھ ہو گیا تو اللہ اُس کے قدم کو اُس دن ثابت قدم رکھیگا

جبدن پل صراط پر قدم پھسلیں گے جس نے اپنے غصہ کو مٹایا اللہ اسکی ستر پوشی کرے گا اور بیشک برے اخلاق اس طرح ایمان کو خراب کرتے ہیں. جیسے سرکہ شہد کو.	الایمان کما یفسد الخل العسل (قرۃ الواعظین ترجمہ درۃ الناصحین صفحہ ۱۹۲ و ۱۹۳)

حاجت روائی

حاجت روائی سے ہماری یہ غرض ہے کہ نبی یا ولی، اللہ کی توفیق سے حاجت روائی فرمائے. ہم مسلمانوں اور کافروں میں یہی باریک فرق ہے کہ وہ اپنے بتوں کو بالذات حاجت روا جانتے ہیں اور ہم اللہ کے حکم اور اللہ کی توفیق سے نبی یا ولی کو اپنا حاجت روا جانتے ہیں ایسی صورت میں وہ آیتیں جو کافروں کیلئے نازل ہوئی ہیں اُن کو ہم مسلمانوں پر چسپاں کرنا خلاف انصاف اور سراسر دھاندلی ہے.

دراصل بالذات کسی کو مقتدر اور مختار ماننا یا جاننا یہی شرک ہے اسی کو شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی بعض ابتدائی کتابوں میں اکثر ناسمجھ انسانوں کو سمجھانے کیلئے لکھا ہے ہمارے بعض اسلامی بھائیوں نے اس کو بدگمانی سے اپنی کتابوں میں پھیلا کر بیان کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کو بالذات مختار نہیں جانتا بلکہ اللہ کی عطا اور توفیق سے.

اگر ایک دوسرے کی مدد شرک ہوتی تو انصار رضی اللہ عنہم کا وجود ہی اسلام میں کیوں پایا جاتا. ظاہر ہے کہ اگر انسان ایک دوسرے کی مدد نہ کرے تو زندگی دشوار ہو جائے. پہلے حدیثوں میں ہم اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں. آخر میں قرآن شریف سے بھی بتلائیں گے.

حدیث کی کتاب کھف المتین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۰۱ سطر ۲ میں ہے۔

واذا اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی	جب مدد کی ضرورت ہو تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

اس حدیث سے کئی باتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ بندوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ اسمیں اعینونی (یعنی مدد) کا لفظ تین بار حضورؐ نے استعمال فرمایا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود حضور اللہ کے بندوں سے مدد چاہنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ایسی مدد ایاک نستعین کے خلاف نہیں ہے تب تو حضورؐ نے یہ تعلیم دی ہے۔ پانچویں یہ کہ جو بندے نظروں سے غائب ہیں اُن کے لیے بھی یا کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے یا کہہ کر پکارنا بھی ثابت ہو گیا۔

حدیث شریف کی کتاب حصن حصین کی صفحہ ۱۵۰ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاجت پوری ہونے کیلئے ایک نماز تعلیم فرمائی ہے اسمیں یہ صراحت ہے لہ حاجۃ الی اللہ او الی احد من بنی آدم (ترجمہ اللہ سے حاجت چاہی جائے یا کسی انسان سے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا انسان بھی حاجت روائی کرسکتا ہے (اب فرمائیے اب تو حدیث سے انسان حاجت روا ثابت ہو گیا یا نہیں) زندہ انسان سے مدد لینے یا حاجت روائی کیلئے یہ حدیث ہے۔

ان اللہ عباداً اختصھم بحوائج الناس (بخاری و مسلم و تجرید الاحادیث صفحہ)	خدا کے ایسے بندے بھی موجود ہیں جن کو بندوں کی حاجتیں روا کرنے کے لیے اللہ نے مخصوص کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو حاجت روائی کی بابت جو اقتدار عطا فرمایا ہے اور اللہ کے یہاں اُن کا جو درجہ ہے وہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

ان من عباد اللّٰہ من لو اقسم علی اللّٰہ لابرہٗ (بخاری مسلم و تجرید الاحادیث صفحہ ۹)	خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر خدا کے نام پر قسم کھالیں تو خدا قسم پوری کر دیتا ہے۔

جو اولیاء اللہ انتقال فرما گئے ہیں اُن سے مدد مانگنے یا حاجت روائی کے متعلق یہ حدیث ہے۔

اذا اعیتکم الامور فعلیکم باصحاب القبور (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث ص۳)	جب تم کو کام تھکا دیں تو تم اہل قبور کی زیارت کرو۔

خود قرآن شریف کی آیت سے ظاہر ہے کہ فرشتے نے حاجت روائی کی اور کہا میں تم کو بیٹا دیتا ہوں۔ کیا فرشتہ غیر خدا نہیں تھا۔ قرآن شریف کی آیت یہ ہے۔

قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا (سولھواں ۱۶ پارہ سورہ مریم)	فرشتے نے کہا میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ تجھکو پاکیزہ بیٹا دوں۔

یہ فرشتے کے ذریعہ حاجت روائی کیوں ہوئی؟ فرشتے کے ذریعہ خدا نے کیوں کہلایا۔ خود کیوں نہیں کہا کہ میں بیٹا دیتا ہوں۔ خدا کہہ سکتا تھا۔ لیکن یہ اسی لیے ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ غیر خدا بھی خدا کے حکم سے حاجت روائی کر سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ خدا کسی سے راست گفتگو نہیں کرتا۔ حجاب یا رسول کے وسیلے سے بات کرتا ہے۔

غرض فرشتہ ہو یا انسان۔ اللہ کے حکم اور عنایت سے حاجت روائی اور مدد کر سکتا ہے۔ اور جب خدا کی عنایت سے حاجت روائی ہو تو شرک کیسے ہوا؟

جب فرشتہ خدا کے حکم سے بیٹا دیسکتا ہے تو انسان جو فرشتوں سے افضل اور خدا کا

کا خلیفہ ہے کیوں بیٹا نہیں دیسکتا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں ؛ مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

حاجت روائی کی حدیثوں سے ظاہر ہو گیا خصوصاً قسم والی حدیث سے کہ انسان حاجت روائی کر سکتا ہے۔

بیٹا تو بیٹا، خدا کے حکم سے فرشتے موت بھی دے سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی عنایت فرماتے ہیں۔ ثبوت میں قرآن شریف کی چھ آیتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ان الذین توفاھم الملائکۃ (پانچواں پارہ لفظ کے بعد) (ترجمہ) بیشک وہ لوگ جنھیں فرشتوں نے موت دی۔

۲۔ ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ۔ دسواں پارہ تیسرا رکوع (ترجمہ) کاش تم دیکھو جب کافروں کو فرشتے موت دیتے ہیں۔

۳۔ ان الخزی الیوم والسوء علی الکافرین الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم ۱۴واں پارہ سورہ نحل (ترجمہ) بیشک آج کے دن رسوائی اور مصیبت کافروں پر ہے جن کو فرشتے موت دیتے ہیں۔

۴۔ کذالک یجزی اللہ المتقین الذین توفاھم الملائکۃ طیبین چودھواں پارہ سورہ نحل (ترجمہ) اللہ پرہیزگاروں کو صلہ دیتا ہے جنکو پاکیزہ حالت میں فرشتے موت دیتے ہیں۔

رسول موت دیتے ہیں زندگی بھی

۵۔ رسولوں کے موت دینے کے متعلق یہ آیت ہے جاءت رسلنا یتوفونھم آٹھواں پارہ ثلث کے بعد (ترجمہ) ہمارے رسول اُن کے پاس موت دیتے آئے۔

۶۔ رسول زندگی بخشتے ہیں اُسکے متعلق یہ آیت ہے استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم

لما یحییکم نواں پارہ (ترجمہ) اللہ و رسول کو جواب دو جب وہ تم کو بلائیں تاکہ تم کو زندگی بخشیں۔

حضور کی بخشش کرم اور مدد: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن کعب اسلمی سے ارشاد فرمایا "مانگ کیا مانگتا ہے" کہ ہم تجھے عطا فرمائیں عرض کی کہ میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت نصیب ہو۔ فرمایا بھلا کچھ اور۔ عرض کی بس میری تو یہی مراد ہے فرمایا تو میری اعانت کر (مدد کر) اپنے نفس پر کثرت سجود سے (یعنی کثرت سے نماز پڑھا کر) دیکھو برکات الامداد صفحہ۹ بحوالہ صحیح مسلم) اسمیں مدد کے متعلق کئی حدیثیں ہیں جنمیں سے دو یہ ہیں۔

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی (برکات الامداد صفحہ۱۲ بحوالہ الطبرانی)	فضل میرے رحمدل اُمتیوں کے پاس طلب کرو ان کے سائے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

رحم دل اُمتی کون ہو سکتے ہیں۔ یہی اولیاء اللہ۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے (دیکھئے برکات الامداد مصنفہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

اطلبوا المعروف من رحماء امتی تعیشوا فی اکنافھم	میرے رحم دل اُمتیوں سے نیکی اور احسان مانگو ان کی عنایت کے سائے میں آرام کرو گے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ والوں سے مانگنے اور طلب کرنے کا حضور نے بھی حکم دیا ہے۔ جب حضورؐ نے حکم دیا ہے تو شرک کہاں رہا؟

حاجت روائی کا ایک اور نظریہ

جسمیں ذرا بھی عقل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ دنیا میں ہر کام ذریعہ اور وسیلہ سے ہوتا ہے۔ خدا خود

اپنے آپ کو منوانے کیوں نہیں آیا۔ رسول کا ذریعہ کیوں اختیار کیا۔ نبی کے وسیلے سے اپنا کلام کیوں بھیجا خود آکر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ میرا کلام ہے۔ خدا نے اسی لیے رسول اور نبی کا ذریعہ اور وسیلہ اختیار کیا تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کی زندگی میں ذریعہ اور وسیلہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

انسان کا ہر کام اُسکی حاجت ہے۔ کیا آپ کسی حاکم کے پاس حاجت روائی کے لیے نہیں جایا کرتے؟ برابر جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کو حج کرنے جانا ہے۔ پاسپورٹ لینا ہے تو آپ اپنی حاجت لیکر حاکم کے پاس جاتے ہیں۔ وہ حاجت روائی کرتا ہے یعنی آپ کو پاسپورٹ دیتا ہے تب کہیں آپ حج کو جا سکتے ہیں۔ کیا یہ حاجت روائی نہیں ہوئی۔ اب آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا حاکم غیر خدا نہیں۔ پھر آپ نے اس غیر سے حاجت روائی کیوں کی؟

آپ جب خود بیمار ہوں یا آپ کے یہاں کوئی بیمار ہو۔ جسمانی علاج کیلئے یعنی اس حاجت روائی کیلئے آپ کو حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ حکیم یا ڈاکٹر کیا غیر خدا نہیں پھر آپ اس کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ پھر آپ ایسا شرک کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ حاجت روائی شرک نہیں۔

اگر یہ حاجت روائی یعنی جسمانی علاج شرک نہیں تو ہم بھی اپنی حاجت اور اپنی روحانی بیماری کے علاج کیلئے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں جو روحانی ڈاکٹر ہیں۔ آپ اپنے حالات کے لحاظ سے کبھی کسی وید کا علاج کرتے ہیں تو کبھی کسی ڈاکٹر کا کبھی کسی حکیم کا۔ اور آپ اس حاجت روائی کو شرک نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے سب کو جسمانی علاج کرنے کی طاقت اور قدرت دی ہے۔

ہم بھی اسی طرح اپنے حالات کے لحاظ سے کبھی اجمیری وید کے پاس جاتے ہیں تو کبھی بغدادی (جیلانی) حکیم کے پاس جاتے ہیں۔ کبھی دہلی والے کبھی کلیر والے کبھی گلبرگہ والے روحانی

ڈاکٹروں کے پاس جاتے رہتے ہیں اور اس کو شرک نہیں سمجھتے بلکہ یہی جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو روحانی علاج وغیرہ کرنے کی طاقت اور قدرت دی ہے۔ حدیث شریف ہے۔

اذا اراد اللہ لعبد خیراً اصیر حوائج الناس الیہ (تجریۃ الاحادیث صفحہ ۱۲۶ بحوالہ نسائی)	جب بندہ کیلئے خدا خیر کا ارادہ کرتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں اُسکی طرف کر دیتا ہے۔

لفظ "یا" کہکر کسی بزرگ کا نام لینا

مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ یا اس طرح کہنا یا رسول اللہ ہماری حاجت روا فرمائیے تو یہ جائز ہے جیسا کہ حصن حصین کے حوالے سے ہم یا عباد اللہ اعینونی والی حدیث لکھ چکے ہیں اسکے علاوہ کتاب نورالایضاح (جسکی مولوی صفدر عباس صاحب دیوبندی بہت تعریف کرتے ہیں کہ دیوبند کے جناب انور شاہ صاحب مصر سے لائے تھے) ترجمہ ہو کر مراد آباد میں چھپی ہے اس کے صفحہ ۲۲۲ اور ۲۲۳ میں "یا" کے لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی جگہ مخاطب کیا گیا ہے جس سے غیر اللہ کی ندا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قبرستان میں جا کر قبروں کو دیکھ کر شرع شریف نے جس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اسمیں خود ان قبر والوں کیلئے "یا" کا لفظ موجود ہے دعا یہ ہے السلام علیکم یا اھل القبور۔ اسی طرح وہ بزرگ جو اس عالم سے پردہ فرما گئے ہیں ان سب کیلئے "یا" کا لفظ بولا جا سکتا ہے یا محمد۔ یا رسول اللہ۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ عربی کا مقولہ ہے الفضل ما شھدت بہ الاعداء (بزرگی یہ ہے کہ مخالف گواہی دیں) اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ مرحوم مولوی مسعود عالم ندوی جنھوں نے عبدالوہاب نجدی کے حالات خاص انداز میں لکھے اور وہابیت کو سراہا تھا اُنکی شان اپنے سفر نامہ مدینہ طیبہ میں خود تحریر فرماتے ہیں "وہابیت کی خشکی کے باوجود دل پسیج کر رہا ہے" (دیکھئے صفحہ ۳۰۸ دیار عرب) اسی سفرنامہ دیار عرب کے صفحہ ۱۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں "سلف کے معمول کے مطابق السلام علیک یا رسول اللہ شیخین کی قبروں کے سامنے السلام علیک یا ابا بکر یا خلیفہ رسول اللہ اور السلام علیک یا ایہا الفاروق یا خلیفہ رسول اللہ کہتا ہوا آگے بڑھکر ایک طرف قبلہ رخ کھڑا ہو گیا" اسی سفرنامہ دیار عرب

کے صفحہ ۱۴۱ میں فرماتے ہیں" راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے (قصیدہ بانت سعاد کو) پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے"

وسیلہ

حدیث کی کتاب حصن حصین میں ہے کہ ایک نابینا نے حضور سے اپنی بینائی کیلئے عرض کیا حضور نے جو دعا سکھائی اُسمیں خود اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضیٰ اللھم فشفعہ فی (ابن ماجہ و بخاری۔ و حصن حصین صفحہ ۱۰ و تحقیق الحق صفحہ ۱۰)	اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد آپ کے وسیلے سے اس مقصد میں اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میرا کام پورا ہو جائے۔ اُن کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس سے یہاں دونوں مسئلے بھی حل ہو گئے۔ یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاجت روائی بھی کی دوسرے لفظ "یا" کہہ کر پکارنا بھی ثابت ہو گیا۔ غرض نابینا، بینا ہو گیا اللہ نے آنحضرت کے وسیلے سے دعا کو قبول فرمالیا۔ اکثر بزرگوں نے اسی دعا کو پڑھا ہے اور حاجتیں پوری ہوئی ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی اذان کے بعد خدا سے میرا وسیلہ دے کر دعا کریگا۔ میری شفاعت اُس کے لیے واجب ہے۔

درمختار اور شامی میں وسیلہ والی یہ دعا لکھی ہے اور یہی اذان کے بعد کی دعا ہے۔

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ و الصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودان الذی وعدتہ انک لاتخلف المیعاد	اے اللہ اس پوری پکار (کامل دعوت) اور کھڑی ہونے والی نماز کے پروردگار مجھ کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند مرتبہ عطا فرما اور اُن کو اس مقام محمود میں پہنچا جسکا تونے وعدہ فرمایا ہے تو بیشک وعدہ خلاف نہیں۔

کیا کوئی نماز کعبہ کے وسیلہ کے بغیر قبول ہو سکتی ہے۔ جواب یہی ہے کہ نہیں۔ یا تو اسکو شرک نہ کہیے ورنہ کعبہ کیطرف منھ کر کے نماز پڑھنا چھوڑ دیجئے۔ یعنی کعبہ کا وسیلہ ترک کر دیجئے، ورنہ وسیلے کو جائز سمجھئے۔

ذرا یہ بات بھی غور سے سنئے: حضرت موسیٰؑ تو کلیم اللہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ ان کو خود علم لدنی نہیں سکھا سکتا تھا جو ان کو حکم دیا کہ ہمارے خاص بندہ کے پاس جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی بارگاہ کے علم کے واسطے بھی کسی بندہ کا وسیلہ اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ خود خدا کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔

ابتدا میں بھی خدا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو حضرت شعیب کے پاس بھیج کے انسانی وسیلہ کیطرف متوجہ کرتا ہے۔ علامہ اقبال اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مرشد کی تلاش میں رہو اس کے وسیلہ کے بغیر کام نہ چلے گا۔ فرماتے ہیں ؎

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے   اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اسی طرح اور ایک جگہ علامہ اقبال کسی کے سوال پر فرماتے ہیں ؎

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی ہے تلاش   صاحبِ دل باش در پیکار باش!
جو مرا دل ہے مرے سینہ میں ہے   میرا جوہر میرے آئینہ میں ہے

پھر عارف یا مرشد کیطرف سے خود جواب دیتے ہیں ؎

تو ہمیں گوئی مرا دل نیز ہست   دل فراز عرش باشد نے بہ پست
تو دلِ خود را دلے پنداشتی   جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی

مطلب یہ ہے کہ تونے اہلِ دل (مرشد) یعنی وسیلے والے کی تلاش ہی چھوڑ دی ہے۔ علامہ اقبال

خود جگہ جگہ پر مولانا رومؒ کو اپنا پیر کہہ کر ان کے وسیلہ سے آگے بڑھتے ہیں۔

قرآن شریف کی آیت ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ یعنی اللہ کی طرف وسیلہ لاؤ۔ اسی آیت کے تحت اذان کی دعا مرتب کیگئی ہے (یہ آیت چھٹے پارہ میں ہے) اسی آیت کی تفسیر مواہب الرحمان کے صفحہ۱۰ پر ہے کہ حضورؐ نے اذان کے وقت وہی الفاظ کہنے اور درود پڑھنے اور اُس کے بعد وسیلہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے (یعنی اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو ہم نے اوپر (وسیلہ کے عنوان میں) لکھی ہے) یہ دعا اذان کے احکام میں عام طور پر فقہی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ کا وسیلہ اختیار فرمایا۔

یہ حدیث ملاحظہ ہو:

اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصۃ (کتاب الاسن العلٰے صفحہ ۳۲ بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی)	یا اللہ خاص عمر خطاب کے وسیلہ سے اسلام کو عزت دے۔

جھاڑ پھونک۔ تعویذ۔ عشا کے وضو سے نماز فجر

کسی مزار پر دعا مانگنا

ان باتوں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ ان سب کا معتبر کتابوں سے ثبوت ملاحظہ ہو۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتابوں تکشف اور تشرف دونوں میں ان کو یعنی جھاڑ پھونک اور تعویذ کو جائز بتایا ہے۔

۱۔ **جھاڑ پھونک**: کتاب تجرید الاحادیث کے صفحہ ۲۷ میں یہ حدیث ہے۔

کان ینفث فی الرقیہ (ابن ماجہ)	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کرتے وقت تھوک لگادیا کرتے تھے۔

دوسری حدیث شریف ملاحظہ ہو اسمیں یہ صراحت ہے۔

لاباس فی الرقی مالم تکن شرکاء (تجریدہ صفحہ ۳۹۰ بحوالہ صحیح مسلم)	دم کرنے میں کوئی ہرج نہیں اگر شرک کے الفاظ نہ ہوں

مولوی سعید صاحب انصاری سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ کی کتاب سیر الانصا حصہ اول کے صفحہ ۹۴ میں ہے۔

"عقائد میں چند اور باتیں بھی شامل تھیں جن میں ایک جھاڑ پھونک بھی ہے۔ آنحضرت کے زمانہ تک اس کے جاننے والے موجود تھے۔ چنانچہ طبرانی نے اپنے مسند میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت نے جھاڑ پھونک سے ممانعت فرمائی تو عمر بن حبہ نے کہ سانپ کے کاٹے کو جھاڑتا تھا آکر عرض کیا کہ آپ منع فرماتے ہیں حالانکہ میں اس کا منتر جانتا ہوں (یعنی اس ممانعت کی تعمیل کے باوجود نفس منتر کے جاننے اور اس کام کے کرنے کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے) آنحضرت نے اس سے منتر سُنا تو فرمایا کہ اسمیں کچھ ہرج نہیں اسکے بعد دوسرا انصاری آیا۔ اور کہا کہ میں بچھو کو جھاڑتا ہوں آپ نے کہا تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچائے (کتاب اسد الغابۃ جلد ۴ صفحہ ۱۰۱)"

۲۔ تعویذ: حدیث کی کتاب حصن حصین شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۱۶۴ میں تعویذ کی بابت ہے۔

وکان عبد اللہ بن عمرو یلقنہا من عقل من ولدہ ومن لم یعقل کتبہا فی صک ثم علقہا فی عنقہ (ابن ماجہ وصحیح ابن حبان)	اور عبد اللہ ابن عمر اپنے بچوں کو اگر سمجھ دار ہوتے تو یہ دعا سکھاتے اور نا سمجھ ہوتے تو یہ دعا کاغذ پر لکھ کر اُن کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔

۳۔ **عشا کے وضوء سے فجر کی نماز**: اولیاء اللہ کے حالات میں اگر کہیں یہ تذکرہ آگیا کہ انھوں نے عشا کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ یہ اسکی سند ہے۔ کتاب تابعین (مرتبہ شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ) میں حضرت سلیمان بن طرخان تابعی کے حالات کے سلسلہ میں بصفحہ ۱۸۱ یہ عبارت ہے۔

"(حضرت سلیمان تابعی) ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، عشا کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھتے تھے ان کے صاحبزادے معتمر بھی باپ کا صحیح نمونہ تھے۔ دونوں باپ بیٹے رات بھر گھوم گھوم کر مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے۔ معتمر کا بیان ہے کہ چالیس سال تک انھوں نے عشا کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۳۵)"۔

اسی کتاب میں حضرت سعید بن مسیب تابعی کا بھی حال ہے۔ ان کے حالات میں بصفحہ ۲۸ لکھا ہے

"بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پچاس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی (کتاب صفوۃ الصلوٰۃ صفحہ ۱۳۰)

۴۔ **کسی مزار پر خدا سے دعا مانگنا**: (یعنی صاحب مزار کے وسیلے سے دعا مانگنا) اسی کتاب تابعین کے صفحہ ۵۲۴ میں بسلسلہ حالات حضرت مسروق تابعی لکھا ہے کہ:۔

"ان کی وفات کے بعد ان کا روحانی فیض جاری رہا۔ خشک سالی کے

مواقع پر خلق اللہ ان کے مزار پر انوار پر جمع ہو کر بارانی کے لیے دعا کرتی تھی اور اسکی برکت سے بارانی برستا تھا۔ (کتاب طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۵۶)"

مشکوٰۃ شریف کی جلد ثانی کا ترجمہ طریقۃ النجات ہے۔ اسکی حدیث نمبر ۱ سے ظاہر ہے کہ حضورؐ نے ایک چھوکری کو دیکھا کہ اُس کا منہ زرد ہے۔ فرمایا اس کو نظر لگی ہے۔ اس طرح نظر کا لگنا حدیث سے ثابت ہے۔ اسلیے بعض اللہ والے اللہ کا کلام پڑھ کر نظر اُتارتے ہیں۔ صحت ہو جاتی ہے۔

علم غیب

قرآن شریف میں علم غیب کے متعلق جتنی آئتیں ہیں اُنمیں سے یہ سات آئتیں ایسی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم غیب ثابت ہے۔

۱۔ ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (چوتھا پارہ سورہ آل عمران) ترجمہ (لوگو) اللہ ایسا نہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کردے لیکن وہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے (علم غیب کیلئے) چن لیتا ہے۔

۲۔ وعلمک ما لم تکن تعلم (پانچواں پارہ ثلث کے پاس) (اے محمد) جو آپ نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتادیا (یعنی غیب کا علم عطا کر دیا)

۳۔ وعلمناہ من لدنا علما (پندرھواں پارہ آخری رکوع سے پہلے) ترجمہ اسکو (یعنی اپنے رسول محمد کو) ہم نے اپنے پاس کا علم سکھا دیا (یعنی علم لدنی عطا فرما دیا)

۴۔ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک (بارھواں پارہ سورہ ہود) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

۵۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک (تیرھواں پارہ سورہ یوسف) یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی کرتے ہیں۔

۶۔ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (اُنتیسواں پارہ سورہ جن) کسی پر (خدا) اپنے غیب کو ظاہر نہیں فرماتا۔ مگر جسکو رسولوں میں سے پسند کرلے (تمام رسولوں میں اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند فرمایا ہے لہٰذا آپ ضرور اس کی عطاء سے علم غیب جاننے والے ہوئے۔

۷۔ وما ھو علی الغیب بضنین (تیسواں پارہ سورہ تکویر) ترجمہ۔ (محمدؐ) ایسے نہیں ہیں کہ غیب کی بات بتلانے میں کنجوسی کریں۔

اب تین حدیثیں بھی علم غیب کی بابت لکھی جاتی ہیں نمبر ۲ کی آیت کے تحت یہ حدیث شریف ہے۔

فتجلی لی کل شیئ فعرفت (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۷۲)	پس مجھ پر ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے پہچان لی
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا (طبرانی وکتاب علم غیب آنحضرت ۲۴)	حضور نے فرمایا بیشک اللہ نے میرے لیے دنیا کو اُٹھا دیا پس میں اُسکی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو اور وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت حذیفہ سے جو روایت ہے وہ یہ ہے۔

قال فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذالک الی یوم القیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ (کتاب علم غیب آنحضرت صفحہ ۲۲)	ہم لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور قیامت قائم ہونے تک جتنی چیزیں ہونے والی ہیں وہ سب بیان فرما دیں۔ یاد رکھا جسنے یاد رکھا جو بھول گیا بھول گیا۔

جن صاحب کو اس سے زیادہ تحقیق اور تفصیل معلوم کرنا ہو وہ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کی کتاب سلطنت المصطفےٰ فی ملکوت کل الوریٰ اور مولانا حکیم نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی کتاب الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفےٰ ملاحظہ فرمائیں۔

مولوی ابو محمد الیاس امام الدین صاحب (متوطن کوٹلی لوہاران مغربی ضلع سیالکوٹ) کی ایک
کتاب ہے جس کا نام "وہابیوں کی امامت" ہے۔ اس کے صفحہ ۵ سطر ۱۲ میں ہے۔

"عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے فرماتے ہیں قال فی قولہ تعالیٰ سألتہم لیقولن
انما کنا نخوض ونلعب وقال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان
ناقۃ فلان بوادی کذا وکذا وما یدریہ بالغیب رواہ ابن جریر ھکذا فی
در المنثور جلد ثالث صـ ۲۵۴ یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہو گئی اس نے حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا چونکہ علم غیب حاصل تھا آپ نے فرمایا کہ فلاں جنگل اور فلاں
مکان میں ہے ایک منافق نے کہا کیا محمد غیب جانتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے آیت اتاری کیا اللہ اور اسکے رسول سے ٹھٹھا"

مخالفین علم غیب کا یہ بھی ایک اعتراض ہے کہ حضور کو اگر علم غیب تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار والے واقعہ کی بابت کیوں نہ فرما دیا
جیسا کہ بخاری کی حدیث میں موجود ہے کہ آپ پریشان تو ہے مگر بغیر وحی آئے کچھ نہ فرما سکے کہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم
غیب تھا تو پریشانی کیسی اور اتنے روز خاموشی کیوں اختیار فرمائی تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ نہ جاننا
اور نہ بتلانے میں صد ہا حکمتیں ہوتی ہیں خود پروردگار عالم نے بھی بہت روز تک انکی عصمت کی آیات نازل نہ کیں تو کیا رب تعالیٰ کو بھی خبر نہ تھی
نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ ما علمت علی اہلی الا خیرا میں اپنی بیوی کی بابت نیکی جانتا ہوں جس سے معلوم ہوا کہ علم تو ہے مگر وقت سے پہلے
اظہار منظور نہیں ہے۔ رہی پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے اگر کسی عزت و عظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جائے اور وہ
خود بھی جانتا ہے کہ یہ الزام غلط ہے تاہم وہ اپنی بدنامی کے اندیشے سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا
اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا اور پہلے ہی عصمت کا اظہار فرما دیا جاتا تو منافقین تو کہتے کہ اپنی اہلخانہ کی حمایت کی اور مسلمانوں کو تہمت کے
مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر تہمتوں کی تحقیقات کا طریقہ نہ آتا اور صدیقۃ الکبریٰ کو وہ ثواب نہ ملتا جو ملا۔ مرضی الٰہی یہی تھی کہ حضرت صدیقہ
کا ہار گم ہونے پر مسلمان اسکی تلاش میں یہاں تک جائیں کہ ظہر کا وقت آجائے پانی نہ ملنے سے سب مجبور رہے غرض کیا جائے کہ اب کیا کریں تب آیت
تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیقہ کی عظمت قیامت تک مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کے طفیل ہم کو تیمم کا حکم ملا رب کے کام سب کے سب بے عیب ہیں

مہینہ یا دن یا تاریخ مقرر کرنا

حج کا مہینہ مقرر ہے۔ الحج اشھر معلومات نماز فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشا

سب کے وقت مقرر ہیں۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا روزے اور تراویح کیلئے رمضان کا مہینہ مقرر ہے کتب علیکم الصیام۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔

حدیث کی کتاب کنز العمال میں ہے حضورؐ نے فرمایا ہر جمعہ کو جنتی اللہ کی زیارت کرینگے جمعہ کی جماعت کیلئے ہفتہ میں ایک دن مقرر ہے۔ بخاری میں ہے ہر دوشنبہ اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال دکھلائے جاتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے حضور نے فرمایا ہر جمعہ کو مجھے اُمت کے اعمال دکھلائے جاتے ہیں۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا میں دوشنبہ کو پیدا ہوا۔ اُسی دن قرآن اُترا۔ اُسی دن میں نے ہجرت کی۔ اُسی دن انتقال کروں گا اسلیے دوشنبہ کے دن روزہ رکھا کرو۔

تو جب اللہ و رسول نے خود کاموں کے لئے مہینے اور دن اور وقت مقرر کیے ہیں تو اگر کسی کام کیلئے مہینہ یا دن یا وقت مقرر کیا جائے تو خلاف سنّت کب ہے۔ غرض ان وآحاتت سے ظاہر ہے کہ عام طور پر کسی دینی تقریب یا بطور خاص میلاد شریف کیلئے کوئی دن یا تاریخ یا وقت مقرر کیا جائے تو ہرگز بدعت نہیں۔

لیلۃ القدر کا تعین

حضرت عبداللہ بن انیس عبادت گزار تھے۔ لیلۃ القدر میں جاگنا چاہتے تھے۔ مسجد نبوی سے مکان دور تھا اس لیے روزانہ آنہ سکتے تھے۔ لیلۃ القدر غیر معین اور کئی تاریخوں میں ہوتی ہے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ایک تاریخ معین فرمایئے تاکہ اس روز مسجد نبوی میں پہنچ سکوں۔ آپ نے ۲۳ ویں شب مقرر کردی۔ یہ مختصر حوالے ہیں ورنہ قرآن شریف اور حدیث شریف سے اس قسم کے تعین کے کثیر حوالے دیے جاسکتے ہیں۔

محفل میلاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی پیدائش کا حال کھڑے ہو کر بیان فرمایا ہے حضرت عباس سے روایت ہے۔

انہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فکانہ سمع شیئًا فقام النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ قال انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتًا فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا (ترمذی ومشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۱۳ جلد دوسری وکتاب مقامات حسنہ صفحہ ۲۰)

(حضرت عباس) نبی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (وہ آپکے نسب کی بابتہ کچھ ناگوار خبر سنکر آئے تھے) حضورؐ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں کون ہوں (صحابہ نے) عرض کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں محمدؐ ہوں بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ اللہ نے مجھ کو اچھے لوگوں میں پیدا کیا۔ پھر اُن کے دو فرقے کیے اور مجھ کو اُنکے بہتر فرقہ میں پیدا کیا۔ پھر اُن کو قبیلے بنائے تو مجھ کو اچھے قبیلے میں پیدا کیا پھر ان میں خاندان کیے تو مجھ کو اچھے خاندان میں پیدا کیا۔ میں ان کے نفیس لوگوں ان کے شریف گھرانوں میں سے ہوں۔

آنحضرت کے زمانہ میں آنحضرت کی ولادت کے حالات بیان ہونا اور اپنی ولادت کا بیان سنکر شفاعت کا وعدہ فرمانا

کتاب مرقومات بےمثال حصہ ۲ کے صفحہ ۲۵ میں ہے کہ شیخ ابوالخطاب اپنے رسالہ تنویر میں لکھتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ کان یحدث ذات یوم فی بیتہ وقائع ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم لقوم فیستبشرون ویحمدون اللہ ویصلون علیہ علیہ السلام فاذا جاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حلت لکم شفاعتی

ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے واقعات لوگوں کے سامنے بیان کررہے تھے اور لوگ سنکر خوش ہورہے تھے اور اللہ کی حمد کرتے اور درود شریف پڑھتے تھے کہ اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ تم سب کیواسطے میری شفاعت حلال ہوگئی

اسی کتاب میں ابودرداؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے وہ بھی سن لیجئے کیونکہ اس میں ذکر میلاد کرتے رہنے کا تذکرہ ہے۔

مر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی بیت عامر الانصاری فکان یعلم وقائع ولادتہ علیہ السلام لابنائہ وعشیرتہ ویقول ہذا الیوم فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ فتح لک ابواب الرحمۃ وملائکۃ کلھم یستغفرون لک من فعل فعلک نجی نجاتک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عامر انصاری کے مکان پر گئے اور وہ اپنی قوم اور اولاد کو آنحضرتؐ کے ولادت کے واقعات تعلیم دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ آج کا دن ہے۔ حضورؐ نے (یہ حال دیکھ کر) فرمایا اللہ نے تیرے لیے رحمت کے دروازے کھولدیے تمام فرشتے تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں اور جو کوئی یہ کام کریگا نجات پائے گا۔

اسی وجہ سے ہم اہلسنت والجماعت (حنفی) میلاد کی محفل کیا کرتے ہیں اور اُسکو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں بعض باتوں کی اصلاح ضروری ہے وہ یہ کہ رات بھر قصیدہ خوانی نہ ہونا چاہیئے کہ صبح کی نماز قضا ہوجائے یا صرف قصیدہ خوانی نہ ہو بلکہ حضور کی پیدائش اور حضور کی سیرت کی صحیح روایتیں بھی بیان کیجائیں یا پڑھی جائیں۔ یہ بھی نہونا چاہیئے کہ حضور کا حال بیان ہو رہا ہے یا نعت پڑھی جا رہی ہے اور لوگ چائے پی رہے ہیں یا بیڑی اور سگرٹ پی رہے ہیں یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ جو کچھ پڑھا جائے باوضو پڑھا جائے اور سننے والے درود شریف پڑھتے رہیں۔ نعت خوانی نہ اتنی پست آواز سے ہو کہ لطف ہی نہ آئے نہ اتنا گلا پھاڑ پھاڑ کر ہو کہ چھتیں اُڑ جائیں۔ درمیانی حالت ہونا چاہیئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر الامور اوسطہا یعنی کاموں میں درمیانی حالت بہتر ہے۔ اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف پھر رجوع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے میلاد اور بعثت کا قرآن شریف میں اس طرح خود تذکرہ فرمایا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (سورہ جمعہ)	اللہ وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں پیغمبر اُنھیں میں سے اُٹھایا (پیدا کیا) جو اُنپر ہماری آیتیں پڑھتا اور اُنکو کتاب و حکمت سکھاتا ہے

ادب سے کھڑے ہونا اور سلام پڑھنا

پہلے سلام کے متعلق حدیث شریف سن لیجئے۔ دارمی شریف اور نسائی شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ان اللہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی سلام مشکوٰۃ شریف ص ۸۶	بیشک اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین پر بسر کرتے ہیں وہ مجھ کو میری اُمت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

اللہ نے اپنے محبوب اپنے حبیب اپنے رسول اپنے نبی کی شان و شوکت کے لحاظ سے یہ انتظام فرمایا ہے جس سے رسولوں کے سردار نبیوں کے پیشوا کا مرتبہ ظاہر ہو جائے۔

اورنگ زیب عالمگیر کسقدر شرع کے پابند تھے۔ اُنھوں نے خود اپنے انتظام سے شرعی مسئلوں کی بابت جو کتاب لکھوائی ہے فتاویٰ عالمگیری اُسکا نام ہے اسمیں دیکھ لیجئے۔ سلام پڑھتے وقت ہماری کیا حالت ہونی چاہیئے اس کے لیے فتاویٰ عالم گیری کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہ یسمع کلامہ کذا فی الاختیار شرح المختار ثم یقول السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ (فتاوی عالمگیری ص ۱۳۶/۱۹)	اور کھڑا ہو جسطرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے آپکی صورت مبارک کا ایسا نقشہ جمائے کہ گویا حضور قبر اطہر میں آرام فرما رہے ہیں اور اسکو جان رہے ہیں اور اس کا کلام سُن رہے ہیں یہی اختیار شرح مختار میں ہے پھر کہے اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔

نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں سلام عرض کرنے کا طریقہ اسی ادب اور تعظیم سے بہت تفصیلی طور پر درج ہے۔ اسمیں دیکھئے یا حاشیہ طحطاوی صفحہ ۴۳۲ دیکھ لیجئے یا مرقومات بے مثال حصہ ۳ کا صفحہ ۲۹ ملاحظہ فرمالیجئے۔

ذکرِ خیر کی مجلس میں سلام پڑھنے کیلئے قیام تعظیمی

اللہ و رسول کے ذکر کی مجلس سے بڑھ کر کون سی مجلس ہو سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے ذریعہ اس کا ادب سکھا رہا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم و اذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللہ الذین آمنوا منکم	اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تم کو کشادگی عطا فرمائیگا اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اللہ ایمان والوں کے درجے بلند فرمائے گا۔

ویسے بھی کسی آنے والے کیلئے لوگ اخلاقاً کھڑے ہو جاتے ہیں اس میں آنے والے (مہمان) کی تعظیم متصور ہوتی ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

حکی ابن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا جاء ضیف قام بنفسہ و یخدمہ فقیل لہ ذالک فقال سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول الملائکۃ فی منزل فیہ ضیف فاذا استحیی ان اجلس و الملائکۃ قائمون (اعرجیہ) کتاب قرۃ الواعظین صفحہ ۱۱۲)	حکایت ہے عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارک تھی جب کوئی مہمان آتا خود تعظیماً کھڑے ہو جاتے لوگوں نے اس تعظیم سے کھڑے ہونے کا سبب پوچھا تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مکان میں مہمان ہوتے ہیں فرشتے کھڑے رہتے ہیں پس مجھے شرم آتی ہے کہ فرشتے تو کھڑے رہیں اور میں بیٹھا رہوں۔

مولانا انوار اللہ صاحب حیدرآبادی اپنی کتاب "انوار احمدی" کے صفحہ ۱۸ میں ایسا تحریر فرماتے ہیں۔

"فتح مکہ کے روز عکرمہ یمن کیطرف بھاگ گئے تھے۔ اُنکی بی بی نے اُنھیں مسلمان کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرتؐ اُن کو دیکھتے ہی کمال خوشی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اسی طرح حضرت جعفرؓ حبشہ سے حاضر ہوئے تو حضورؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ جعفر کے آنے سے مجھ کو زیادہ خوشی ہوئی یا فتح خیبر سے"

حضورؐ کی حیات مبارک وطیب

جب ایک سکنڈ میں ملک الموت لاکھوں کی روح قبض کرتے اور ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں تو حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ کے محبوب ہیں اُن کو کیا موت کے فرشتے سے بھی زیادہ طاقت حاصل نہیں؟ غرض اللہ ورسول کے ذکر کی کوئی محفل ایسی نہیں جہاں حضورؐ موجود نہ ہوتے ہوں۔

مواہب لدنیہ کی شرح میں علامہ زرقانی کی جو عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ بات منع نہیں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک جسم اور روح کیساتھ نظر آئے۔ اس لیے کہ آپ کی اور دوسرے انبیاء کی روحیں وفات کے بعد پھر واپس کردیگئی ہیں۔ ان کو عالم بالا اور عالم تحت میں تصرف کرنے کی اجازت ہے۔" (دیکھو مرقومات ہمبتال حصہ اول صفحہ ۱۳)

تفسیر روح البیان میں سورۂ تبارک الذی کی تفسیر کے سلسلہ میں جو عربی عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے "امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معہ ارواح صحابہ تمام عالموں میں پھرنے کا اختیار ہے (دیکھئے مرقومات ہمبتال حصہ اول صفحہ ۱۳)

کتاب شفائے قاضی عیاض کی جو عربی عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے " اگر گھر میں کوئی نہ ہو اور تم اُسمیں داخل ہو تو حضورؐ پر سلام پڑھتے ہوئے داخل ہو۔" (مرقومات ہمیثال حصّہ دوم صفحہ۱۱)

ملاعلی قاری اِس کی شرح فرماتے ہیں۔ مسلمانوں کے گھروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک موجود ہوتی ہے۔ یہی ملا علی قاری (جنکو دیوبند کے علماء بھی مانتے ہیں) مشکوٰۃ شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے جب کسی مسجد میں داخل ہو تو حضور پر سلام بھیجو۔ حضور بیشک ہر مسجد میں موجود ہیں۔ (مرقومات ہمیثال حصہ دوم صفحہ۱۱)

ظاہری موت کے باوجود آنحضرت حیات طیبہ رکھتے ہیں

اخبار صدق "لکھنؤ ۴۲ صفحہ ۵ کالم ۲ سطر ۱۶۔ علامہ مناظر احسن گیلانی صاحب کے مضمون "سکرۃ الموت" میں ہے۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی تفصیل کے لیے مناسب ہوگا کہ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاسمؒ کی کتاب " آبحیات" کا مطالعہ کیا جائے جسمیں آپنے ثابت کیا ہے کہ جسد مبارک سے آپکی روح طیبہ کا تعلق منقطع نہیں ہوا ہے اسی سے آپکی ازواج مطہرات امہات المومنین کو وفات کے بعد بھی دوسرے مردوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی تھی کہ نکاح کا استحقاق بیوگی کے بعد ہوتا ہے نیز حضور کی متروکہ جائداد میں وراثت کا قانون اسی لیے جاری نہیں ہوا کہ قانون وراثت کیلئے موت کی شرط ہے۔"

اوپر کی سطروں میں آپ نے مولوی قاسم صاحب دیوبندی کی کتاب کے حوالے سے یہ پڑھ لیا۔

کہ آنحضرتؐ حیات طیبہ رکھتے ہیں یعنی زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے آپکی بیویاں بیوہ نہیں سمجھی گئیں۔ اور اُن کیلئے نکاح کی ممانعت ہوئی۔ اور زندہ ہونے ہی کی وجہ سے حضورؐ کی متروکہ جائداد پر وراثت کا قانون جاری نہیں ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی اس کے قائل نظر آرہے ہیں۔

حضرت شاہ محمد حسین الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک کتاب "سوانح حیات" ہے۔ اس کے صفحہ ۲۹۹ میں ہے۔

"دوسرے حج سے واپس ہونے کے بعد ایسا ذوق ہوا کہ الٰہ آباد میں رجبی شریف کی محفل قائم کی جو ہندوستان میں پہلی محفل تھی۔ حضرت مولانا احمد حسین صاحب کانپوری نے ایک خط حجاز سے تحریر فرمایا کہ یہاں مجھ سے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جنھوں نے کہا کہ حضور سرور کائنات کی مجھے زیارت ہوئی میں نے کہا کہ حضور کہاں تشریف لیگئے تھے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم الٰہ آباد ہندوستان میں رجبی ہوتی ہے۔ وہاں گیا تھا۔"

اس سے معراج شریف کے بیان میں بمقام الٰہ آباد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت ثابت ہورہی ہے ہر سال مولانا شاہ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ الٰہ آباد میں خود معراج شریف کا حال بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک صاحب اسکو اچھا نہیں سمجھتے تھے بدعت کہہ کر انکار کردیا کرتے تھے اسی کتاب **"سوانح حیات"** میں ان کا واقعہ اس طرح لکھا ہے۔

"قاضی شریف صاحب مولانا سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے جب آپنے رجبی قایم کی تو وہ بہت کبیدہ (رنجیدہ) ہوئے اور برابر اس کے جواز کا انکار کرتے رہے ایکدن انھوں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں

دیکھا کہ رجبی شریف کا حصہ تقسیم ہو رہا ہے اور سرکار دو عالم تشریف فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو مت دو یہ منکر ہیں۔ قاضی صاحب پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ الہ آباد پہنچتے ہی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باوجود فضل و کمال اور سن رسیدگی پیروں پر گر کر رونے لگے۔"

یہ وہی مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو گانا بہت سنتے تھے اور قوالی ہی بمقام اجمیر شریف جن کا انتقال ہوا۔

بس یہی وجہ ہے کہ حضور کی شرکت اور مجلس خیر میں تشریف رکھنے کی بنا پر محفل میلاد کا ادب کیا جاتا ہے۔ اور کھڑے ہو کر نہایت ادب عاجزی اور گریہ وزاری سے سلام پڑھا جاتا ہے۔ اپنے علم کی بابتہ خود آپ کی حدیث ہے۔

ان علمی بعد موتی کعلمی بالحیات (تجریہ صفحہ ۸ بحوالہ فردوس دیلمی)	موت کے بعد میرا علم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ زندگی ہے۔

اسی واسطے ذکر خیر کی مجلسوں کی آپ کو خبر رہتی ہے۔ انتقال کے بعد آپکی زیارت زندگی میں ملنے کے برابر ہے۔ اس کے متعلق آپکی یہ حدیث ہے۔

من حج فزار قبری کان کمن زارنی فی حیاتی (جذب القلوب صفحہ ۱۹۶)	جس کسی نے حج کیا اُسکے بعد میری قبر کی زیارت کی میرے انتقال کے بعد۔ گویا اُسنے زندگی میں میری زیارت کی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب (ترجمہ) جذب القلوب میں انبیاء کی زندگی کے متعلق یہ حدیث ہے۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (جذب القلوب صفحہ ۲۰۶)	انبیا زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں

اسی جذب القلوب الی دیار المجبوب (اُردو) کے صفحہ ۲۱۵ میں لکھا ہے کہ حضورؐ کے انتقال (یعنی پردہ فرمانے کے بعد) تیسرے دن ایک اعرابی آیا اور اُس نے بیتابی سے اپنے آپ کو قبر پر گرا دیا اور لوٹنے لگا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ نے خدا سے جو کچھ سُنا وہ ہم نے آپ سے سُنا! اور آپ نے جو کچھ خدا سے سیکھا ہے ہم نے آپ سے سیکھ کر یاد کیا۔ اسی میں سے یہ آیت ہے۔ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله[1] تو آیا ہوں میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں (مجھے شرمندگی ہے معافی چاہتا ہوں) اللہ سے میری سفارش فرما دیجئے، قبر مبارک سے آواز آئی تو بخش دیا گیا۔ تفسیر مدارک میں بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

اسی جذب القلوب کے صفحہ ۲۲۹ میں ہے کہ ابن جلا نے بیان کیا کہ میں نے مدینہ شریف میں مقیم ہوا مجھ پر دو ایک فاقے گزرے مزار شریف کے قریب جا کر میں نے عرض کیا انا ضيفك يا رسول الله (یعنی یا رسول اللہ میں آپ کا مہمان ہوں) اس کے بعد سو گیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی (یعنی میرے ہاتھ میں روٹی دی) میں نے آدھی خواب ہی میں کھا لی۔ دوسری آدھی جاگا تو میرے ہاتھ میں تھی۔

یہ واقعات ہم نے شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب سے لکھے ہیں اب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب سے بھی ایک واقعہ سُن لیجئے۔ ان کی کتاب دُرِّ ثمین کے صفحہ ۶۹ میں یہ

---

[1] اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر ہوں پس اللہ سے معافی چاہیں اور معافی مانگے اُن کے لیے رسول تو بیشک اللہ کو وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

عبارت ہے :

"میں نے جناب والد سے سُنا کہ وہ بیمار ہوئے تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا بیٹا تیرا کیا حال ہے پھر شفا کی خوشخبری دی اور اپنی داڑھی مبارک کے دو بال عنایت فرمائے اُسی وقت وہ تندرست ہو گئے۔ اور وہ دونوں بال مبارک جب جاگے تو موجود تھے انہیں سے ایک مجھے دیا وہ میرے پاس موجود ہے"

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب تکشف میں لکھا ہے کہ بزرگوں کی روح کا جسمی طور پر نظر آنا ممکن ہے۔ دیکھئے اُن کی کتاب تکشف صفحہ ۴۳۱۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث سنئے :

مامن نبی یموت فیقیم فی قبرہ الا اربعین صباحاً (تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۰ بحوالہ کتاب حلیہ ابونعیم)	ہر ایک نبی قبر کے اندر فقط چالیس روز رہتا ہے۔

یعنی انبیاء کو اختیار دیا جاتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں بحوالہ حدیث یہ بھی لکھا ہے کہ انبیاء کی نعش مبارک کو زمین نہیں کھاتی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہونا ہر طرح ثابت ہے۔

مولوی غلام قادر صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "اسلام کی چوتھی" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت لکھی ہے اس کے صفحہ ۳۷ میں (بسلسلہ ذکر وفات) یہ لکھا ہے

"اور صدیق اکبر کی وفات کا قصہ اور روضہ مبارک کے دروازے پر لیجانا اور دروازہ کھل جانا اور آواز آنی (خوب آیا پیارا دوست صدیق رفیق) مشہور و معروف ہے"

اگر غیبی چیزوں کا دیکھنا عقل کے موافق اور ظاہری آنکھوں کے دیکھنے پر منحصر ہوتا تو قرآن شریف کی آیت یومنون بالغیب نازل ہی کیوں ہوتی اور اُس پر ایمان رکھنے کا حکم ہی کیوں ہوتا؟ فرشتوں کا نظر آنا۔ جنت دوزخ کا ہونا۔ جنوں کا ہونا۔ ہوا کا وجود قیامت کا آنا۔ دوبارہ زندہ ہونا۔ روحوں کی ملاقات یہ سب یومنون بالغیب کے تحت ہے۔ لہذا ان پر یقین رکھنا ہمارا ایمان ہونا چاہیئے اور ہے۔

اب یہ کہ یہ کیسے نظر آئیں؟ تو یہ سب اللہ کے فضل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم پر (یہ سب) موقوف ہے۔ (مادی دنیا کی ایک مثال سنو۔ آتشی شیشہ لو۔ اس کے نیچے سیاہ کپڑا رکھو۔ دنیا کا آفتاب ہزاروں میل دور ہے۔ مگر اتنی دور ہونے کے باوجود کپڑے کو جلا دیتا ہے۔ اتنی دور سے آفتاب کا اثر زمین پر کیسے پہنچ گیا یہ خدا کی شان ہے۔ اسی طرح اپنے سیاہ دل پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عشق کا شیشہ رکھو۔ لاکھ دوری سہی۔ روحانی عالم کا آفتاب اس کو منور بنا دیگا اور تم کو غیبی چیزیں نظر آنے لگینگی۔ یہ شیشہ جس قدر طاقت ور ہوگا اُتنا ہی زیادہ اثر دکھلائے گا۔ مگر عقیدے تو درست کرو۔ جو بد عقیدہ ہو اُسکو فائدہ ہونا مشکل ہے۔

فاتحہ میں صدقے اور ہدیہ کا فرق

فاتحہ کی دو قسمیں ہیں۔ اگر کسی عام انسان کا فاتحہ ہے تو وہ خیرات ہے تاکہ فاتحہ کی برکت سے اس کو ثواب پہنچے اور اللہ اسکو بخشدے۔

اگر کسی خاص انسان (یعنی کسی بزرگ یا ولی اللہ) کا فاتحہ ہے تو وہ ہدیہ ہے

اسی کو نذر و نیاز کہا جاتا ہے۔ عقیقہ اور قربانی سے اس فرق کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے قربانی میں گوشت کے ۳ حصے کرنے کا حکم ہے ایک حصہ اپنے گھر والوں ہمسایوں کیلئے دوسرا حصہ دوست احباب کیلئے۔ تیسرا حصہ محتاجوں کیلئے۔ (مسائل ضروریہ صفحہ ۶۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دوستوں کیلئے علیحدہ حصہ نکالا گیا اور محتاجوں کیلئے الگ یہ کیوں کیا گیا اسی لیے کہ دوست احباب کا محتاجوں میں شمار نہیں ہے۔

فرض کیجئے، کسی کے عزیز یا رشتہ دار کا انتقال ہو گیا۔ تو لوگ اُس کے نام سے فاتحہ دلاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ فاتحہ کریں سے اُس کو قرآن شریف کا ثواب پہنچے۔ اور اس طرح اللہ اُس کو بخش دے اس فاتحہ میں کہا جاتا ہے کہ یا اللہ آنحضرتؐ کے صدقہ میں میرے فلاں رشتہ دار کو ثواب پہنچے۔ تو یہ عام فاتحہ ہوا۔ یہی فاتحہ صدقہ یا خیرات ہونیکی وجہ سے محتاجوں کا حق ہے۔

اگر کوئی کسی بزرگ یا ولی کے نام سے فاتحہ دلائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے فلاں بزرگ کو یہ ہدیہ پہنچے۔ اس فاتحہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ یا اللہ جو کچھ پڑھا گیا اس ہدیہ کا حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیۂ ثواب پہنچے۔ اور اُن کی دعاؤں کی توجہ سے فلاں بزرگ کو (یہ نذر یہ نیاز یہ تحفہ یہ ہدیہ پہنچے۔ تو اس ہدیہ والے فاتحہ کے کھانے کے متقی پرہیزگار لوگ مستحق ہوتے ہیں۔ تو یہ نذر و نیاز ہوئی۔ خیرات نہوئی۔

نذر و نیاز اور خیرات کے فاتحہ میں بہت باریک فرق ہے جیسے بہادری اور ظلم میں۔ سخاوت اور فضول خرچی میں۔

اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان میں صدقہ کے لفظ کے بہت سے معنی ہیں اس کے ثبوت میں یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ اور حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔

۱۔ نفقۃ الرجل علی اھلہ صدقۃ (خ) انسان کا اپنے اہل پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۲۶۳۔ حوالہ صحیح بخاری۔

۲۔ اعطی الرجل امراتہ فھو صدقۃ (حم) مرد جو کچھ اپنی عورت کو دے صدقہ ہے۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۰۔ حوالہ مسند امام احمد حنبل۔

۳۔ لیس صدقۃ اعظم اجراً من ماءٍ (ھق) کوئی صدقہ پانی سے بڑھ کر ثواب والا نہیں (تجرید الاحادیث صفحہ ۲۹۰۔ حوالہ بیہقی)

۴۔ ماتصدق الناس بصدقۃ افضل من علم ینشر (ط) لوگوں میں علم پھیلانے سے بہتر کوئی صدقہ نہیں۔ تجرید الاحادیث۔ صفحہ ۳۰۲۔ حوالہ طبرانی۔

۵۔ ماصدقۃ افضل من ذکر اللہ (طس) اللہ کے ذکر سے بہتر کوئی صدقہ نہیں۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۳ حوالہ طبقات ابن سعد

۶۔ مامن صدقۃ افضل من قول (ھق) قول سے عمدہ کوئی صدقہ نہیں۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۵۔ حوالہ بیہقی۔

۷۔ مدارا الناس صدقۃ (حب) مدارات (یعنی خاطرداری) سے پیش آنا صدقہ ہے۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۷ حوالہ کتاب ابن حبان)

۸۔ مشیک اخیاک فی الارض فلاۃ صدقۃ (ابو) اپنے بھائی کیساتھ میدان میں چلنا صدقہ ہے تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۹۔ حوالہ ابوداؤد۔

۹۔ مامن صدقۃ افضل من صدقۃ اللسان (ط) زبان جیسا کوئی صدقہ افضل نہیں (یعنی شیریں زبانی سے افضل کوئی صدقہ نہیں) تجرید الاحادیث صفحہ ۳۰۷ حوالہ طبرانی۔

۱۰ ۔ تبسمک فی وجہ اخیک صدقۃ (ت) اپنے بھائی کے روبرو تیرا ہنسنا صدقہ ہے ۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۱۲۵ ۔ حوالہ ترمذی ۔

ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ اپنے اپنے مقام پر موقع کے لحاظ سے صدقہ کے معنی بدلتے چلے آئے ہیں ۔ اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں ۔ ہم نے صرف دس لکھدی ہیں ۔

اب جن حدیثوں پر ہدیہ اور صدقہ کے فرق کی بنیاد ہے اُن کو غور سے پڑھئے ۔

الف ۔ ان الصدقۃ لا تحل لمحمد ولا لآل محمد (خط) محمد اور آل محمد کیلئے صدقہ حلال نہیں ۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۷۰ ۔ بحوالہ خطیب بغدادی ۔

ب ۔ انا ناکل الھدیۃ ولا ناکل صدقۃ (ق) ہم ہدیہ کھاتے ہیں صدقہ نہیں کھاتے ۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۹۴ ۔ بحوالہ بخاری و مسلم

اب ہدیہ اور صدقہ کا فرق ظاہر ہو گیا ۔ ہدیہ کیا ہے ۔ یہی نذر و نیاز ۔ گویا فاتحہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک ہدیہ والا ، دوسرا صدقہ والا ۔ ہدیہ کے متعلق ایک اور حدیث ہے اور وہ یہ ہے ۔

نعم الشی الھدیۃ امام الحاجۃ حاجت سے پہلے ہدیہ بھیجنا اچھی چیز ہے ۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۲۶۰ ۔ بحوالہ طبرانی ۔

اس سے ظاہر ہے کہ ہدیہ والے فاتحہ سے حاجت روائی ہوتی ہے ۔ اسی لیے حضورؐ نے اس کو امام الحاجۃ فرمایا ہے ۔ اسی لیے لوگ ہدیہ والا فاتحہ دلاتے اور اپنے مقصدوں میں کامیاب ہوتے رہتے ہیں ۔

صدقہ والے فاتحہ کے متعلق ایک اور حدیث ہے ۔ وہ یہ ہے الفاتحۃ لما قرءت لہ یعنی فاتحہ اُسی کے لیے ہے جس کے لیے اُسکو پڑھا گیا ۔ تجرید الاحادیث صفحہ ۲۰۶ ۔ بحوالہ بیہقی ۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ جس انسان کیلئے فاتحہ دلایا جائے ثواب اُس کا اُسی کو پہنچتا ہے۔ عام اس سے کہ صدقہ والا فاتحہ ہو یا ہدیہ والا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واقعہ[1] سے بھی صدقہ اور ہدیہ کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی حضرات حسنین علیہم السلام کی بیماری کے زمانہ میں حضرت علی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے موافق دونوں کی صحت کیلئے تین روزوں کی نذر مانی۔ سائل افطار کے وقت آیا تو آپ نے تینوں دن محتاج کو روٹیاں خیرات کردیں۔ اگر خیرات سے نذر پوری ہوجایا کرتی تو حضرت علی سے پھر روزہ نہ رکھواتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض محتاجوں کو کھانا کھلا دینا۔ خیرات کر دینا کسی کی نذر کو پورا نہیں کرتا۔

آجکل بہت سے لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ نذر و نیاز سب فضول ہے فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلا دو۔ بس۔ وہ لوگ اس واقعہ سے سبق لیں کہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلا دینے سے نذر پوری نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ خیرات اپنی جگہ ہے۔ نذر اپنی جگہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نذر و نیاز خیرات نہیں ہوسکتی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اہل بیت یا صحابہ۔ تابعین یا تبع تابعین یا اولیاء اللہ کا فاتحہ ہو تو وہ ھدیہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ عام بندہ کا فاتحہ ہو تو صدقہ ہے۔

جن کے دلمیں ٹیڑھ ہوتی ہے وہ لوگ شبہ اور شک میں ڈال کر فاتحہ سے منع کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ (پارہ تلک الرسل سورہ آل عمران) ترجمہ جن کے دل پھرے ہوئے ہیں وہ شبہ والی بات سے فتنہ تلاش کرتے ہیں اور تاویل۔

[1] خلاصۃ التفاسیر جلد ۴ صفحہ ۵۲۳

جن کے دل میں اللہ والوں کی محبت ہوتی ہے وہ نذرونیاز کی تائید کرتے رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ فرماتا ہے افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ (۲۳ واں پارہ سورۃ زمر) یعنی اللہ نے اسلام کے لیے جس کا سینہ کھولدیا ہے وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ کوئی ولی ہو اُسکی مخالفت بہت بری چیز ہے در منظم (مولفہ حضرت مولانا مرشدنا حافظ شاہ علی انور قلندر رحمۃ اللہ علیہ) کی عبارت صفحہ ۵۷ یہ ہے :۔

"بخاری شریف کے باب التواضع میں حضرت ابی ہریرہ کی روایت سے یوں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھ سے جناب احدیت نے ارشاد کیا من عادی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب یعنی جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے تو میں اُس کو یہ خبر کیے دیتا ہوں کہ میں اُس سے لڑوں گا۔"

اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فرض کیجیے آپ نے کسی مہمان کو بلایا تو کیا اس کے سامنے آپ خیرات کا کھانا رکھیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے سامنے ہدیہ یا تحفہ پیش کریں گے۔ کیونکہ یہ چیز اخلاق کے خلاف ہے کہ آپ اپنے کسی دوست کو خیرات کا کھانا کھلائیں۔ یہی فاتحہ کی حالت ہے۔ آپ بزرگ روحوں کو دعوت دیتے ہیں تو ہدیہ اور تحفے اور نیاز کی دعوت دیتے ہیں۔ غیبی عالم میں ان کیلئے یہ کھانا لقمۂ نور بن جاتا ہے۔

ہم نے جو روحوں کی دعوت کیلئے لکھا تو اسپر تعجب نہ کیجیے جبکہ خدا فرماتا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ (لن تنا: چوتھا پارہ نصف کے بعد) (ترجمہ)

اللہ کی راہ میں جو قتل کیے گئے اُن کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں اور اللہ کے فضل سے اُن کو جو کچھ ملتا ہے اُسمیں وہ خوش ہیں۔

اگر آپ فرمائیں کہ یہ آیت تو شہیدوں کے متعلق ہے جو جہاد میں قتل ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا صرف کافروں سے لڑنے ہی کا نام جہاد ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ شہیدوں کی ۴۲ قسمیں ہیں۔ اس کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھیے۔ یا چھوٹی کتاب برزخ کا صفحہ ۶ ملاحظہ فرمالیجئے تو شہیدوں کی قسمیں معلوم ہو جائینگی۔ جہاد کے متعلق حدیث شریف ہے۔

افضل الجهاد ان تجاهد نفسك و هواك (تجریہ الاحادیث صفحہ ۲۹ بحوالہ فردوس دیلمی)	افضل جہاد یہ ہے کہ تو اپنے نفس اور نفس کی خواہشوں سے جہاد کرے

کتاب مظاہر الحق جلد دوم کے صفحہ ۱۱۴ سطر ۲۲ میں جو عبارت ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہربانی کے طور پر فقیروں کو جو کچھ دیا جائے اُسکو صدقہ کہتے ہیں۔ چونکہ لینے والے کی اسمیں ذلت ہوتی ہے اس لیے صدقہ آنحضرتؐ پر حرام تھا۔ اسی صفحہ کی سطرے میں ایک حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ (بچپن میں) ایک مرتبہ حضرت امام حسنؑ نے زکوٰۃ کی ایک کھجور منھ میں ڈال لی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تھو تھو کو۔ ہم لوگ بنی ہاشم ہیں صدقہ نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم)

اسی کتاب کے صفحہ ۳ میں جو حدیث ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) آدمیوں کا میل ہے۔ اسی لیے محمد اور آل محمد کیلئے حلال نہیں (مسلم)

کتاب بہار شریعت حصہ پنجم صفحہ ۵ (دربیان مصارف زکوٰۃ مطبوعہ مطبع اہلسنت و الجماعت بریلی) حدیث ۲ امام احمد و ابو داؤد و حاکم ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ غنی کیلئے صدقہ حلال نہیں۔ مگر پانچ شخصوں کیلئے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ یا صدقہ پر عامل (حاکم شرعی) یا تاوان والے کیلئے۔ یا وہ مالدار جس نے اپنے مال سے خرید لیا ہو۔ یا مسکین کو صدقہ دیا گیا اور اُس مسکین نے اپنے پڑوسی مالدار کو ہدیہ کیا۔ اور امام احمد و بیہقی کی دوسری روایت میں مسافر کیلئے بھی جواز آیا ہے۔ بالکل اسی طرح کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ثانی کتاب الزکوٰۃ میں صفحہ ۲۴-۲۵ مطبوعہ نول کشور لکھنو میں ایک حدیث حضرت عطا بن یسار سے مرسلاً مروی ہے۔ جس کا جی چاہے اُس کو ملاحظہ کرے۔

مزید اس کی سند کیلئے مظاہر الحق جلد دوم کے صفحہ ۱۱ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔ جس میں صراحت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت کا سالن کھانے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر بریرہ لونڈی نے عرض کیا کہ یہ صدقے کا ہے تو اسپر حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا گوشت تھا مگر کسی نے ہدیہ کے طور پر آپ کو بھیجدیا تھا۔ اسلیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قربانی کا گوشت جان و مال کا صدقہ ہونے کے باوجود بطور تحفہ بھی دیا جاتا ہے) بھیجنے والے نے ہدیہ کی نیت سے بھیجا تو ہدیہ میں اُس کا شمار ہو گیا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے انما الاعمال بالنیات یعنی عملوں کا دارومدار نیت پر ہے۔

فاتحہ

فاتحہ کیا ہے؟ ثواب پہنچانا ہے۔ اپنے لئے ہو یا کسی دوسرے کیلئے۔ دونوں کو

خدا کے یہاں اس کا اجر ملتا ہے جسکے ثبوت میں قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا ط واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم (سورۂ مزمل کی آخری آیت۔ تبارک الذی پارہ)	اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اُس کو خدا کے یہاں صلہ میں بہتر اور بزرگ تر پاؤ گے اور خدا سے بخشش مانگتے رہو بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

قرآن شریف پڑھنے سے بہتر کوئی نیک عمل نہیں۔ اپنے لیے پڑھا جائے یا دوسرے کیلئے اسی کو **فاتحہ** کہتے ہیں۔ حدیث کی کتاب حصن حصین مطبوعہ مطبع مجتبائی میں حدیث ہے۔ (صفحہ ۲۱۰ و ۲۱۱)

اقرؤا القرآن فانہ یاتی یوم القیامۃ شفیعا لاصحابہ (مسلم)	قرآن پڑھو کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔

اس کے بعد ایک اور حدیث ہے۔ یہ بھی کلام مجید پڑھے جانے سے متعلق ہے۔ بصفحہ ۲۱۱

من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا (ترمذی)	جو شخص قرآن (شریف) کا ایک حرف پڑھے اُسکے واسطے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس گنی ہے

فاتحہ میں سورتیں یا پارے کئی کئی پڑھے جاتے ہیں۔ بعض جگہ حسب موقع پورا قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھر اُس کے اجر میں شبہہ کرنا یعنی اُس کو فضول اور بیکار سمجھنا یا ناجائز جاننا کس قدر ایمان کے خلاف ہے۔ ابتدا میں ایصال ثواب کیلئے صرف سورۂ فاتحہ پڑھا جاتا تھا کثرت استعمال سے یہ طریقہ یہ عمل فاتحہ کے ہی نام سے مشہور ہوگیا۔ فاتحہ کے موجودہ طریقے کے ارتقائی مدارج کے متعلق حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (جو دیوبند کے مولویوں کے اُستاد اور مرشد ہیں) اپنی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ کے صفحہ ۶ و ،

میں سا لکھتے ہیں :-

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر کسی مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو یہ خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند کافی ہے مگر موافقت قلب و لسان کیلئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو۔ کھانا سامنے لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا کہ جمع بین العبادتین ہے۔ ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ قرآن شریف کی بعض صورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا دعا کیلئے رفع یدین سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس لیے پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی۔ رہا تعین تاریخ تو یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہوتا رہتا ہے۔ اور نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جنکی تفصیل طویل ہے۔

حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے کہ جب ام سلیم (سلیم کی ماں)، کو معلوم ہوا

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوکے ہیں۔ تو جَو کی دو روٹیاں پکا کر دوپٹہ کے پلّے میں باندھ کر حضور کے پاس لائیں۔ حضور نے ان روٹیوں کو ملیدہ کی طرح تڑوا دیا اور ان کے برتن میں جو کچھ گھی لگا ہوا تھا وہ بھی اس میں ملوا دیا۔ پھر اُس پر چند دعائیہ الفاظ پڑھے اس کے بعد دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا۔ ستر یا اسی آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور پھر خود آنحضرت اور سلیم کی ماں کے گھر بھر نے کھایا اور پھر بچ رہا اس واقعہ میں کھانا سامنے ہونا اور آنحضرت کا اُس پر کچھ پڑھنا ثابت ہے (کتاب درمنظم صفحہ ۵۷)۔

بخاری اور مسلم میں حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے کہ میری والدہ نے آنحضرت کے پاس کھانا بھجوایا۔ جس میں کھجور تھی۔ گھی وغیرہ بھی تھا حضور نے اس پر کچھ پڑھا اور دس دس آدمیوں کو کھلاتے گئے اس طرح تین سو آدمیوں نے کھایا۔ پھر حضور نے مجھ سے فرمایا اپنا برتن اُٹھا لو۔ تو میں حیرت میں تھا کہ میں جس قدر کھانا لایا تھا۔ اس وقت اُس سے بھی زیادہ تھا غرض سامنے کھانا رکھ کر کچھ پڑھنے کی سند ان واقعات میں موجود ہے۔ فاتحہ کے متعلق یہ دو حدیثیں ہیں۔

الفاتحہ لما قرأت لہ (تجرید الاحادیث ص۲۲۶ بحوالہ بیہقی)	فاتحہ اُس کے لیے ہے جس کیلئے پڑھا گیا۔
نعم الشیٔ الھدیۃ امام الحاجۃ (تجرید ص۳۶ بحوالہ طبرانی)	حاجت سے پہلے ہدیہ بھیجنا اچھی چیز ہے۔

اسی واسطے بعض لوگ حاجت پوری ہونے سے پہلے بھی فاتحہ دلاتے رہتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحہ نے اچھے الفاظ میں فاتحہ کا تذکرہ کیا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے

آتی ہے) اگر مخالفوں کے نزدیک یہ ہماری ایجاد ہے تو اس کے جائز ہونے کے لیے یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرھا واجر من عمل بھا (صحیح مسلم)	جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اُس کے لیے اس کا ثواب ہے اور جو اُس پر عمل کرے (ان سب کا بھی اُسکو ثواب ملے گا)

یہ کچھ فاتحہ آج کی ایجاد نہیں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند) بھی فاتحہ کی تائید فرمارہے ہیں۔ فتاوائے عزیزی جلد اوّل مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۵، سطر ۱۹ میں ہے۔

"طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ و قل و درود خوانند متبرک می شود، خوردن آں بسیار خوب است (ترجمہ) فاتحہ، قل اور درود پڑھ کر جس کھانے پر دونوں اماموں کی نیاز ہو وہ کھانا برکت والا ہوجاتا ہے۔ اس کا کھانا بہت اچھا ہے"

اکثر حضرات تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے ہیں یعنی شاہ ولی اللہ صاحب کے اقوال صرف اپنے مطلب کی حد تک اخذ کرتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھئے۔ یعنی ہماری تائید میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُسکو بھی تو دیکھنا چاہیئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فاتحہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگاں حب عموماً بخوانند و حاجت از خدائے تعالیٰ سوال کنند (ترجمہ) ختم تمام کرنے کے بعد دس مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ پھر تھوڑی مٹھائی پر معمول کے موافق

"خواجگان کے نام سے فاتحہ دیں۔ پھر اللہ سے حاجت مانگیں"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا نہ صرف اُن کے عزائم کی ترجمانی کر رہا ہے۔ بلکہ اُنکی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار ہے۔ کتاب دُرِّ ثمین الیسی شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک کتاب ہے جسمیں اُنھوں نے اپنے والد کا واقعہ لکھا ہے کہ میرے والد بیان فرماتے تھے کہ میں میلاد شریف کے زمانہ میں کھانا کیا کرتا تھا تاکہ اس کے ذریعہ مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتصال ہو۔ ایک سال میرے پاس کچھ نہ تھا کہ کھانا پکواتا۔ چنے موجود تھے وہی لوگوں میں تقسیم کر دیے پھر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ بھنے ہوئے چنے آپ کے آگے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بہت خوش ہیں۔ (صفحہ کتاب درِّثمین) موجودہ زمانہ کی ایک کتاب فقہی مسائل کے صفحات ۴۲ و ۵۵ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ سے جو عبارت ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی بات کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم نہ ملے تو مذہب کے اُصولوں کی روشنی میں اُسکو دیکھا جائے تو نہ صرف فاتحہ بلکہ تمام اُمور کی بابت اہل سنۃ والجماعت کے علماء کا پہلے سے اسی پر عمل ہے۔

تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں

مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے بزرگوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ انتقال کے تیسرے دن اور موقع نہ بن سکا تو بیس دن یا چالیس دن بعد، ورنہ معاشی حالات کے لحاظ سے جس طرح اور جب ممکن ہو قرآن شریف پڑھ کر یا پڑھوا کر میت کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تاکہ انتقال کر جانے والی روحیں بخشش اور اللہ کے فضل وکرم سے سرفراز ہوتی رہیں بعض

لوگ سال بھر بعد برسی کا بھی فاتحہ دلاتے رہتے ہیں۔ ان تمام طریقوں میں ثواب پہنچانے ہی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ سب طریقے اس حدیث شریف کے تحت ہیں۔

روی عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مات المؤمن حام روحہ حول دارہ شھر فینظر الی من خلف من عیالہ کیف یقسم مالہ وکیف یؤدی دینہ فاذا اتم شھر ردّ الی حفرتہ فیحوم حول قبرہ سنۃ وینظر من یاتیہ ویدعو لہ ومن یحزن علیہ فاذا تم سنۃ رفع روحہ الی حیث یجتمع فیہ الارواح الی یوم ینفخ فی الصور (کتاب قرۃ الواعظین ترجمہ درۃ الناصحین صفحہ ۴۷۴)

ابوہریرہ رضہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اُسکی روح اپنے گھر کے آس پاس پھرتی ہے ایک مہینہ تک وہ اپنے عیال کیطرف دیکھتی ہے کہ اُس کا مال کس طرح تقسیم کرتے ہیں قرض کس طرح ادا کرتے ہیں جب مہینہ ختم ہوجاتا ہے تو قبر کی طرف واپس ہوتی ہے اور قبر کے گرد ایکسال تک پھرتی رہتی ہے دیکھتی ہے کہ کون اُسکے پاس آتا ہے اور اُسکے لیے کون دعا کرتا ہے اور غم کھاتا ہے جب سال ختم ہوجاتا ہے تو جہاں اور روحیں جمع ہیں قیامت تک کیلئے (یہ روح) بھی وہاں پہنچا دی جاتی ہے۔

جب یہ صورت ہے تو "اب کون دعا سے یاد کرتا ہے" اس کے تحت دسویں بیسویں چالیسویں میں کیا ہرج رہا۔ کبھی انتقال کے بعد بعض جگہ دسویں یا بیسویں چالیسویں میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اُس کے متعلق کتاب حق المبین کے صفحہ ۱۳ سطر ۱۰ میں جو عبارت ہے۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے۔

"مشکوٰۃ شریف میں عاصم بن کلیب سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی صحابی کے انتقال ہونے پر دفن میں تشریف لیگئے۔ دفن کرکے

واپس ہوئے تو جن صاحب کا انتقال ہوا تھا اُن کی بیوی نے آدمی بھیجکر آپ کو کھانا کھانے کے لیے بلا بھیجا۔ حضورؐ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے اور کھانا نوش فرمایا"۔

اس طرح جس کے یہاں میت ہوئی تھی اُس کے یہاں کھانا کھانے میں اس حدیث شریف کے لحاظ سے کوئی ہرج نہیں۔ مولانا شاہ اجمل سنبھلی نے اپنی کتاب سبیل الرشاد کے صفحہ ۹۰ و ۹۸ میں (جو سیف ایمانی کی رد میں ہے) یہی کھانے والی پوری حدیث لکھ دی ہے جن صاحب کو ضرورت ہو دیکھ سکتے ہیں۔

فاتحہ سوم

انتقال کے تیسرے دن سوم کا فاتحہ ہوتا ہے۔ یعنی قرآن خوانی ہوتی ہے۔ کم سے کم ایک قرآن شریف ضرور ہو جاتا ہے۔ پڑھنے والے زیادہ ہوئے تو دو دو تین تین قرآن شریف ختم کیے جاتے ہیں۔ محتاج۔ غربا وغیرہ کیلئے ایصال ثواب کی نیت سے۔ چنے الائچی دانے ہوتے ہیں چنوں پر کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ یہ سب پڑھ لینے کے بعد۔ لا یستوی اصحاب النار۔ چاروں قل۔ الحمد شریف۔ الف لام میم۔ آمن الرسول۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین اور آخر میں ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ پھر درود شریف اس کے بعد سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین پڑھ کر فاتحہ ختم کیا جاتا ہے۔

پھر حاضرین اور محتاجوں کو نقل ملا کر چنے تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اور پھول میت کی قبر پر ڈالدیے جاتے ہیں بعض بدعقیدہ لوگ اس فاتحہ کو بھینٹ چڑھانا کہتے ہیں۔ توبہ توبہ۔ بھلا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانے کو بھینٹ چڑھانا کہدینا کس قدر دلیری

اور بے ادبی ہے (''نذر نیاز و الا جانور'' اس عنوان میں اس کا جواب ملاحظہ ہو)

ان لوگوں سے ہمارا سوال ہے کہ آپ کا تو اعتقاد ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آپ کو ہماری نیت کا حال کیا معلوم۔ یہ سراسر نا انصافی ہے انما الاعمال بالنیات۔ ہماری تو ثواب پہنچانے کی نیت ہوتی ہے۔

کسی کا فاتحہ ہو۔ عام انسان کا یا خاص کا۔ بارھویں شریف ہو یا گیارھویں شریف شاہ عبدالحق کا توشہ ہو۔ یا سید احمد کبیر کی نیاز۔ بی بی کی صحنک ہو یا حضرت امام حسین علیہ السلام کا فاتحہ۔ یا مدار صاحب کی نذر۔ ہم کسی کو پوجتے نہیں۔ کسی کی عبادت نہیں کرتے سوا خدا کے۔ بلکہ خدا کا کلام پڑھ کر ثواب پہنچاتے ہیں۔

مولوی خرام علی صاحب جو مولوی اسمٰعیل شہید کے ہمخیال تھے وہ اپنی کتاب نصیحۃ المومنین میں خود لکھتے ہیں؛

> " حاضری حضرت عباس۔ حضرت فاطمہ کی صحنک۔ عبدالقادر جیلانی کی گیارھویں۔ شاہ مدار کا ملیدہ۔ شاہ بو علی قلندر کی سہ منی۔ شاہ عبدالحق کا توشہ اگر منت نہیں صرف اُنکی روح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے، تو درست ہے "

کیونکہ کسی کا فاتحہ، موجب عبادت کی نیت نہیں تو حلال اور جائز ہے۔ اب رہا ثواب کا پہنچنا تو اس کا قرآن شریف سے یہ ثبوت ہے (تفسیر مواہب الرحمٰن کا صفحہ ۲۰ دیکھیے)

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (۲۲ واں پارہ)	اللہ کی طرف پاک کلمے اور نیک عمل چڑھتے ہیں۔

کتاب برزخ مؤلفہ ذوقی شاہ کے صفحہ ۱۱۱ میں یہ عبارت ہے جو حدیث کے حوالہ سے لکھی ہے:-

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارے اعمال تمھارے مردہ عزیزوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر اعمال نیک ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور برے عمل ہیں تو کہتے ہیں کہ تو ان کو نہ مار یہاں تک ان کو ہدایت کر۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو مرنے کے بعد دعا کرنے کا بھی اختیار دیا جاتا ہے جب انکو ایسا اختیار دیا جاتا ہے تو پھر ان سے دعا کی طلب کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنی کتاب حیات الموات کے صفحہ ۳۲ میں لکھتے ہیں:

"حدیث: (۲۲) سید عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے انس ما یکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا (ترجمہ) قبر میں مردے کے جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب اُس کا کوئی پیارا زیارت کو آتا ہے۔"

عبادت صرف خدا کیلئے ہی

ہمارے بعض ناواقف بھائیوں کا خیال ہے کہ ہم لوگ فاتحے کو عبادت سمجھتے ہیں اس لیے اُنھوں نے فاتحہ کو پوجا پاٹ کہنا شروع کیا ہے۔ معاذ اللہ! حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہم لوگ انکو ہرگز عبادت نہیں سمجھتے۔ اس طرح فاتحہ کا مذاق اُڑانا گویا اللہ کے کلام کا مذاق اُڑانا ہے۔ کسی کے فاتحہ کو ہم لوگ عبادت نہیں سمجھتے۔ فاتحوں میں عبادت کی نیت کہاں ہوتی ہے۔ ایصال ثواب کی نیت ہوتی ہے اب یہ کہ فاتحہ کیوں دلایا جاتا ہے؛

تو حدیث سے اس کا جواب سنئے : فاتحہ اسلئے دلایا جاتا ہے کہ :

لا اجر لمن لا حسبة له (تجرید الاحادیث بحوالہ ترمذی)	جسے ثواب کی طلب نہ ہو۔ اس کے لیے کوئی اجر نہیں

جسکو ثواب کی طلب ہوتی ہے وہی فاتحہ دلاتا ہے کہ اجر ملے اور فاتحہ اسلیئے بھی دلایا جاتا ہے تاکہ رحمت کے دروازے کھل جائیں۔ الحمد شریف کی برکت سے مشکلیں آسان ہو جائیں۔ حاجت روا ہو جائے۔ بلائیں دور ہو جائیں۔ اسی لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نعم الشئ الهدية امام الحاجة تجرید الاحادیث صفحہ ۳۶۰ حوالہ طبرانی	اچھی چیز کا ہدیہ امام الحاجت ہے۔

فاتحہ اس لیے بھی دلایا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو نفع ہو (دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی) سب باتوں کو جانے دیجئے کیا کلام اللہ کے ثواب سے بھی قرآن پڑھنے والا محروم رہے گا۔ دگر آپ قرآن پاک کے پڑھنے کے ثواب ہی سے منکر ہیں۔ تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اب رہی کوئی چیز یعنی تبرک اور اُسکی تقسیم تو اس کا جواب یہ ہے کہ بزرگوں نے اس واسطے یہ طریقہ رکھا ہے تاکہ شیرینی ملنے کی خوشی میں معصوم بچے شریک ہوں۔ بوڑھے شریک ہوں بچوں کو ساتھ لائیں تاکہ بلا دور ہو۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

لو صبیان رضعٌ و مشایخ رکعٌ و بهائم رتعٌ يصبّ عليكم العذاب صبا (کتاب تشرف صفحہ ۳۶ بحوالہ الہادی ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ)	اگر شیر خوار بچے نہ ہوتے اور کوزہ پشت بوڑھے اور چرنے والے جانور۔ تو تم پر بارش کی طرح عذاب برستا۔

شیرینی بانٹنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ لوگ اس کو اپنے گھر لیجائیں اور وہاں جو لیے

بچے ایسے مرد اور ایسی عورتیں ہیں جن کی فاتحہ میں شرکت نہو سکی وہ بھی الحمد شریف کی برکت سے فائدہ حاصل کریں۔ ہاں فاتحوں میں طرح طرح کی قیدیں لگانا صحیح نہیں ہے مثلاً فاتحہ کی چیز جہاں ہے وہاں سے کہیں نہ جائے یا غروب آفتاب سے پہلے ہی ختم کر لی جائے۔ یا صرف مخصوص عورتیں کھائیں دوسری نہ کھائیں۔

لیکن اگر یہ باتیں کسی ادب یا احتیاط کی نظر سے ہیں تو بیشک ان باتوں میں کوئی ہرج نہیں بس اس کا خیال رہے کہ اس پر قرآن شریف پڑھا گیا ہے۔ لہذا کسی صورت میں بے ادبی نہ ہو۔ ورنہ طرح طرح کی شرطیں لگا کر فاتحہ کو مشکل بنا دینا صحیح نہیں اس طرح گویا نیک کام سے روک دینا ہے۔ درانحالیکہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسانی کا حکم دیا ہے۔

یسروا ولا تعسروا (تجرید الاحادیث صفحہ ۱۵ بحوالہ بخاری و مسلم)	آسانی کرو۔ تنگی مت کرو۔

ایسی شرطوں سے کیا فائدہ! جس سے انسان تنگ ہو جائے اور فاتحہ (یعنی سورۂ فاتحہ) کے فائدوں سے محروم ہو جائے۔ دوسری حدیثیں بھی ملاحظہ ہوں۔

ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ (تجرید الاحادیث صفحہ ۷۔ بحوالہ صحیح بخاری)	اللہ ہر کام میں نرمی (آسانی) پسند کرتا ہے۔
تسانوا وتطاوعوا ابشروا ولا تنفروا (تجرید الاحادیث صفحہ ۱۲۹۔ حوالہ طبرانی)	ایک دوسرے کو تسلی دو (مدد کرو) اور اطاعت کرو نفرت نہ پھیلاؤ۔
لا تروعوا المسلم فان روعتہ ظلم عظیم (صفحہ ۳۹ حوالہ طبرانی)	مسلمان کو خوف میں نہ ڈالو۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

قرآن شریف کی آیت ہے لئن شکرتم لازیدنکم اس کے تحت شکریہ کے طور پر فاتحہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی بچہ نے کوئی پارہ ختم کیا تو اس کے شکریہ میں سورہ فاتحہ پڑھ کر دعا کی جاتی ہے کہ یہ پارہ ختم ہوا تیرا شکر ہے۔ بقیہ قرآن شریف بھی یہ ختم کرے اور جو کچھ پڑھا ہے یاد رہے اور ایسا یاد رہے کہ یہ دوسروں کو بھی پڑھائے۔ پھر فاتحہ کو ناجائز کہنا حماقت و نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔

حضرت حماد رح کہتے ہیں کہ میں ایک رات مکہ کے قبرستان میں گیا۔ پھر ایک قبر پہ سر رکھ کر سو گیا تو میں نے دیکھا کہ قبر والے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی۔ اُنہوں نے کہا نہیں، ہمارے بھائیوں نے قل ہو اللہ پڑھ کر ہم کو بخشی ہے سال میں ایک بار ہم اس کو بانٹا کرتے ہیں۔ (مظاہر حق جلد دوم)

اولیاء اللہ روحانی باپ ہیں ان کی مزار کی زیارت کیلئے جانا فائدے سے خالی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من زار قبر ابویہ سنۃ فی کل جمعۃ غفرلہ (تجرید الاحادیث صفحہ ۲۳۰ حوالہ طبرانی)	جس نے ایک سال تک ہر جمعہ کو والدین کی قبر کی زیارت کی وہ بخشا گیا۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ جسم کی پرورش کرنے والے جسمانی والدین کی زیارت کا جب یہ پھل ہے تو روح کی پرورش کرنے والے روحانی والدین یعنی اولیاء اللہ کے مزار کی زیارت کا کیا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جو کوئی قبروں سے گزرے اور قل ھو اللہ گیارہ بار پڑھ کر الحمد والھاکم التکاثر پڑھ کر ثواب پہنچائے تو قبر والوں کی تعداد کے موافق اسکو ثواب دیا جاتا ہے۔ (دیکھئے مظاہر جلد دوم صفحہ ۱۰۱) اسمیں یہ بھی صراحت ہے کہ مُردے

اسکی شفاعت بھی کرتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے شاگرد مولوی امداد حسین صاحب اپنی کتاب مسائل ضروریہ کے صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۂ فاتحہ قل اور کلمہ پڑھ کر مُردوں کو ثواب پہنچایا کرتے تھے۔ (اسی عمل کا نام "فاتحہ" ہے)

نذر ونیاز والا جانور

بعض وقت گائے یا بکرا بکری ذبح کرکے کھانا پکایا جاتا ہے اور گیارھویں کی نیاز کی جاتی ہے لوگ اسمیں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے اور شک لاتے ہیں۔ درحقیقت جو جانور کسی بزرگ کے نام سے ایصال ثواب کیلئے مقرر کیا جاوے اور اُسکو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ حلال ہے۔

مَا اُھِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

بعض لوگ اس آیت کے تحت اسکو حرام کہتے ہیں بلکہ یہاں تک زیادتی کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور بزرگوں کے فاتحے کے کھانے کو بھی حرام جانتے ہیں۔ اب ٹھنڈے دل سے ذرا ایک مثال سے اسکو سمجھ لیجئے۔

فرض کیجئے کہ ایک جانور کسی نے خدا کے نام پر چھوڑا۔ اور سو برس تک یہی کہا کہ یہ اللہ کے نام کا جانور ہے۔ مگر جب ذبح کیا تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح نہیں کیا تو یہ قطعی حرام ہو گیا اس لیے کہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری تھا۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ ایک جانور ہم نے کسی بزرگ کے نام سے نامزد کیا اور تیئو برس تک یہی کہا کہ یہ فلاں بزرگ کی نیاز کا جانور ہے۔ لیکن جب ذبح کیا تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا۔ تو قطعی حلال ہو گیا۔ اس لیے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلائی۔ پھر اُس کے حلال ہونے میں کیا شک رہا۔

حضرت مولانا مُلّا جیون جو حضرت عالمگیر کے اُستاد تھے اُنھوں نے اپنی کتاب تفسیر احمدی میں لکھا ہے۔

یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ جو گائے اولیا کے نام سے نذر کی جاتی ہے (جیسا کہ اس زمانہ میں رسم ہے) حلال اور طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت کچھ غیر خدا کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ اُنکے نام سے اُسکو نامزد کرتے ہیں۔	ومن ھٰھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لھم

قدیم زمانہ کی آٹھ تفسیروں میں بھی یہی لکھا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ ان تفسیروں کے نام یہ ہیں۔ (۱) تفسیر علامہ ابی سعود (۲) تفسیر جلالین (۳) تفسیر جامع البیان (۴) تفسیر مدارک (۵) تفسیر کشاف (۶) تفسیر بیضاوی (۷) تفسیر حسینی (۸) تفسیر احمدی۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو وہابیوں کے پیشوا گزرے ہیں اس مسئلہ میں وہ بالکل ہمارے موافق ہیں۔ اپنی کتاب زبدۃ النصائح کے صفحہ میں لکھتے ہیں

اگر کوئی شخص کسی بکری کو اپنے گھر میں پالے تاکہ اُس کا گوشت خوب ہو جائے (یعنی	پس اگر شخصے بزے را خانہ پرورش کند تا گوشت او خوب شود و اورا ذبح کردہ و پختہ

فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی خوانده بخورانند
خللے نیست بشابہ آن ست کہ برائے بزرگ
معظم زندہ ایچنیں عمل کنند واگر نذر کند کہ
بشرط برآمدن حاجت خود۔ گاؤ دو سالہ فربہ
نیاز حضرت غوث الاعظم خواہم کرد پس حکم
ایں طعام مثل حکم عام طعام ست اگر نذر بطریق
حسن ست ہیچ خلل نہ واگر قبیح ست
ذبیحہ اش حرام وحیوان حلال۔

موٹی ہو جائے) پھر اسکو ذبح کر کے حضرت
غوث اعظم کا فاتحہ دیکر (لوگوں کو) کھلائے
کوئی خلل (حرج) نہیں۔ یہ اسی کے مشابہ ہے
کہ زندہ معظم بزرگ کیلئے ایسا عمل کیا جائے
اور اگر حاجت پوری ہونکی شرط سے نذر کرے
اور دو سالہ موٹی گائے (ذبح کر کے) حضرت
غوث اعظم کی نیاز کرے (فاتحہ دلائے)
تو اس کھانے کا حکم بھی (معمولی) کھانے کی طرح
ہے اگر اچھی نیت کی نذر ہے تو کوئی حرج
نہیں اور اگر بری نیت (یعنی عبادت کی
نیت ہے) تو اسکا کھانا حرام ہے اور حیوان
(جانور) حلال۔

پھر تھوڑے فاصلہ پر یہ لکھا ہے:

آرے در ہنود تقرب بجان حیوان ہم
رائج ست۔ لیکن برائے تقرب اکثر نرد
جاموس راسکشند پس اگر مشرکے برائے بھوانی
کبوترے یا گنجشکے را بگزارد یا جاہل مسلمے بنام
بزرگے رہا نماید وہماں کبوتر یا گنجشکے را شخصے
شکار کردہ بخورد حلال ست وہمیں ست

ہاں ہندوؤں میں جان کا تقرب بھی رائج
ہے لیکن تقرب کیلئے اکثر نر اور بھینسے کو مار
ڈالتے ہیں۔ تو اگر کوئی مشرک بھوانی کے
نام سے کبوتر یا خانگی چڑیا کو چھوڑے یا کوئی
جاہل مسلمان کسی بزرگ کے نام سے (انہیں
چیزوں کو) چھوڑے یا وہ کبوتر اور خانگی چڑیا

فارسی	اردو
حال بجار باین معنی کہ ازیں نام خللے دراں نشدہ	کا کوئی (مسلمان) شکار کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور یہی سانڈ کے لیے ہے ان معنی میں کسی کے نام سے موسوم کر دینے سے (اس مسئلہ میں) کوئی خلل واقع نہیں ہوتا

پھر تھوڑے فاصلہ پر یہ عبارت ہے:

فارسی	اردو
صورت سوم کہ عوام ایں زمانہ وایں ملک ازاں غافل اند کہ بقصد تقرب خدا تعالیٰ ذبح کند و ثواب عبادت ذبح بدیگرے رساند ایں ہم رواست. وجانور حلال و طیب بلکہ برائے ایصال بمیت یا بہ حی ایں صورت التشخیص والتعیین در حدیث وارد است پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کردہ فرمودند تقبل منی و من شھد لک بالوحدانیۃ ولی بالبلاغ	تیسری صورت یہ ہے جس سے اس ملک اور اس زمانہ کے عوام غافل ہیں۔ (وہ یہ کہ) اللہ کے تقرب کے قصد سے ذبح کرے اور ذبح کی عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچائے یہ بھی جائز ہے اور جانور حلال طیب یعنی پاک بلکہ زندے مرے کو ثواب پہنچانے کیلئے (بھی تشخیص اور تعیین حدیث میں وارد ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے قربانی کرکے فرمایا تقبل منی و من شھد لک بالوحدانیۃ ولی البلاغ یعنی قبول کرلے مجھ سے (قربانی) اور اس سے جو (میری رسالت اور خدا کی) وحدانیت کی گواہی دے اور میرے احکام خدا کے بندوں تک پہنچانے

حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی علیہ الرحمہ اور مولانا وصی علی صاحب کانپوری علیہ الرحمہ نے اپنے فتوؤں میں اسکی صراحت کی ہے کہ عرف عام میں صرف شناخت کے لیے

کہ یہ زید کا جانور ہے اور یہ خالد کا ہے۔ اس کے علاوہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مثلاً ہم کہیں کہ ظہر کی نماز۔ جنازے کی نماز۔ مسافر کی نماز تو کیا اس کہنے سے نماز خدا کی نماز نہیں رہی۔ مولانا وصی علیصاحب نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے۔ سنیئے۔ اُنہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے۔

احب الصیام الی اللہ تعالیٰ صیام داؤدؑ واحب الصلوٰۃ الی اللہ عزّ وجل صلوٰۃ داؤد	روزوں میں خدا کے یہاں داؤد علیہ السلام کا روزہ پسندیدہ ہے اور نمازوں میں خدا کے نزدیک داؤد علیہ السلام کی نماز پیاری ہے۔

حضورؐ نے اس حدیث میں حضرت داؤد کا روزہ اور حضرت داؤد کی نماز جو ارشاد فرمایا ہے تو کیا نماز اللہ کی نہیں رہی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ لوگوں کی نماز کی طرف توجہ دلانے کیلئے ایسا ارشاد فرمایا گیا۔ اس بات کی پہچان کہ کس قسم کا روزہ اور کس قسم کی نماز خدا کو پسند ہے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام جیسا روزہ رکھتے تھے اور جیسی نماز پڑھتے تھے ویسا خلوص اور ویسی عاجزی روزے نماز میں ہونا چاہیئے۔ اس بات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے حضورؐ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ اور حضرت داؤد کی نماز فرمایا۔ ورنہ دراصل نماز روزہ اللہ ہی کا ہے اسی طرح جانور اگر کسی کے نام سے مخصوص کریں تو اس سے صرف شناخت اور پہچان اور یادداشت مقصود ہوتی ہے۔

اگر صرف نام لینے ہی کی بحث ہے تو پھر قربانی کا کوئی جانور ایسا نہیں جس پر غیر خدا کا نام نہ لیا جاتا ہو یعنی اپنا نام لیکر کہ میری طرف سے یہ قربانی ہے یا فلاں صاحب کی طرف سے یہ قربانی ہے اے اللہ قبول کرلے۔ اس کے بعد بسم اللہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اگر یہ نام چھوڑ دیا جائے تو پتہ ہی نہ چلے گا کہ کس کی طرف سے یہ قربانی ہے۔

اسی طرح عقیقے کی جانور میں ہوتا ہے. بلکہ عقیقے کے جانور میں تو دعا کے الفاظ میں یہ بھی ہے. لحمہا بلحمہ عظمہا بعظمہ دمہا بدمہ (فرض کیجئے بچہ کا نام عبدالرحمن ہے) تو دعا میں بچے کا نام لینے کے بعد یہ معنی ہوں گے کہ عبدالرحمن بچے کے گوشت کے بدلے اسکا گوشت، عبدالرحمن بچے کی ہڈیوں کے بدلے اسکی ہڈیاں، عبدالرحمن بچے کے خون کے بدلے اس کا خون. اگر قربانی کرنے یا قربانی دینے والے کا نام بھی غیر خدا کے تصور میں نہ لیا جانا قرار دیا جائے تو کوئی جانور حلال ہی نہیں رہ سکتا. قربانی ہی بند ہو جائیگی.

یا ہم کسی مہمان کے لیے بکرا ذبح کرتے ہیں تو کیا وہ مہمان کے نام کی وجہ سے حرام ہو گیا. ہرگز نہیں. حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت کی دعوت کیلئے جانور ذبح کیا اور کھانا پکوایا. آنحضرت کو اس کا علم تھا. آپ نے کھایا. آپ کے ساتھ دوسروں نے بھی کھانا کھایا اگر مہمان کے نام سے جانور ذبح کرنا شرک ہوتا تو آنحضرت نہ خود کھاتے نہ دوسروں کو کھانا کھانے دیتے. آپ کو معلوم تھا کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور ذبح کیا گیا ہے اب چاہے جس کے لیے ہو اور چاہے جس کیطرف سے ہو. بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث فرما کر اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا.

من ذبح لضیفہ ذبیحۃ کانت فداءہ من النار. رواہ حاکم	جو اپنے مہمانوں کیلئے جانور ذبح کرے تو وہ ذبیحہ آتش دوزخ سے بچائے گا (اسکو حاکم نے اپنی کتاب میں لکھا)

غرض نام سے کچھ نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ چھری چلتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری اور لازمی ہے. یہی اُن آٹھ (۸) تفسیروں میں ہے جن کے نام ہم نے اوپر لکھے ہیں.

نذر و نیاز

اس کے متعلق بھی ایک حدیث سُن لیجئے۔ تاکہ آپ کو اسکی اہمیت معلوم ہو جائے اور آپ اس کے وجود سے انکار نہ کریں۔ حضور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اوف بنذرک قالہ لعمر حین قال نذرت فی الجاھلیۃ (طبرانی و تجرید الاحیاء ص۱)	اپنی نذر پوری کر۔ یہ عمرؓ سے فرمایا جب اُنھوں نے جاہلیت کی نذر کا ذکر کیا۔

جب جاہلیت کے زمانہ کی نذر پوری کرنے کی ہدایت فرمائی گئی تو اسلام کے زمانہ کی نذر کو پورا کرنا اور بھی لازمی ہو گیا۔

ایک بار حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں میری والدہ کو ثواب پہنچتا رہے۔ آپ نے فرمایا اُن کے نام سے کنواں کھدوا دو آپ نے حکم کی تعمیل کی جب کنواں کھد گیا۔ تیار ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا ھذہٖ لام سعد یعنی یہ کنواں سعد کی ماں کیلئے ہے۔ حالانکہ وہ انتقال کر چکی تھیں لیکن خاص طور پر اُن کے نام سے موسوم ہونیکی وجہ سے اس کا پانی پینا کسی کے لیے حرام نہ فرمایا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے نام سے موسوم کی جائے تو اس سے دوسرے لوگوں کا فائدہ اُٹھانا حرام نہیں ہوا کرتا۔

سعد کی والدہ زندہ نہ تھیں۔ مگر اُن کیطرف سے یہ فعل عمل میں بغرض ثواب لایا گیا۔ نذر و نیاز میں بھی یہی صورت ہوا کرتی ہے کہ حضرت سید احمد کبیر یا حضرت بڑے پیر صاحب کے نام سے یعنی ان کی طرف سے ہم جانور ذبح کرتے ہیں اور گلے پر چھری چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں گویا اس طرح ایصال ثواب کیلئے اُن کیطرف سے قربانی کیجاتی ہے

اللہ تو بے نیاز ہے۔ اُس کو ہماری نیاز کی کیا ضرورت۔ ہمارے نماز روزے کی کیا حاجت؟ ان اللہ لغنیٌ عن العلمین۔ بندے کی نیکیاں خود اُس کے لیے ہیں نہ کہ پروردگار کیلئے۔ اس لیے اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کی جاتی ہے تاکہ ان کے وسیلے سے خدا کی بارگاہ میں ہر نذر و نیاز قبولیت کا شرف حاصل کر سکے۔ کیونکہ یہ اللہ کے ولی۔ اللہ کے دوست، یہ اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کی وجہ سے اللہ ہماری ناچیز نذر کو ضرور قبول فرمائے گا۔ ہر نذر و نیاز درحقیقت اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہے جہاں اس پر قرآن شریف پڑھا گیا۔ وہ نذر والے کے حق میں لقمۂ نور بن جاتی ہے جس کے نتائج ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

کتاب برزخ مولفہ ذوقی شاہ صاحب کے صفحہ ۹۵ میں ہے۔

ابو جعفر سیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ درویشوں کی ایک جماعت آپ کے گرد ہے اسی اثناء میں آسمان پھٹا۔ اور اس سے دو فرشتے کہ ایک کے ہاتھ میں طشت دوسرے کے ہاتھ میں آفتابہ تھا اترے۔ طشت والے نے اپنا طشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا آپ نے اپنے مبارک ہاتھ دھوئے پھر ارشاد فرمانے پر اوروں نے بھی ہاتھ دھوئے پھر طشت میرے سامنے رکھا گیا تو ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا اس کے ہاتھ پر پانی مت ڈال (یعنی ہاتھ نہ دُھلا) یہ انہیں سے نہیں ہے۔ میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ (کی یہ حدیث) آپ کا یہ ارشاد نہیں ہے المرءُ مع من احب (یعنی آدمی اُسی کیساتھ ہے جس سے اسکو محبت ہو) تو میں آپ سے اور ان درویشوں سے

محبت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا بیشک ایسا ہی ہے پھر اُس فرشتے کو ہاتھ دُھلانے کا اسی طرح حکم دیا کہ یہ بھی انہیں (درویشوں) میں ہے"۔

(احیاء العلوم) مولانا جامی نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۹۹ میں ایک اور واقعہ درج ہے۔ وہ بھی سننے کے قابل (و نتیجہ خیز ہے):-

"علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں گیا ہوں۔ وہاں دیکھا تو اللہ کے ولی بشر حارثؒ دسترخوان پر بیٹھے ہیں اور دو فرشتے دائیں بائیں اُن کو جمیع طیبات (تمام پاک چیزوں) کے لقمے کھلا رہے ہیں۔ اور وہ کھا رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ وہ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اور لوگوں کے چہروں کا تفحص کر کے (انتخاب) کر کے جنت میں داخل کر رہے ہیں۔ اور بعض کو دروازہ سے واپس کر رہے ہیں پھر خطیرۃ القدس کی طرف آیا۔ کہ عرش میں ایک شخص آنکھیں پھاڑے ہوئے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ میں نے رضوان سے پوچھا یہ کون ہیں جواب ملا کہ حضرت معروف کرخی ہیں۔ انہوں نے نہ تو دوزخ کے خوف سے عبادت کی نہ جنت کے شوق میں۔ بلکہ محض اللہ کی محبت کیلئے عبادت کی اسلئے اللہ نے اُن کو قیامت تک اپنی طرف دیکھتے رہنے کی اجازت دیدی ہے"۔

(مکارم الاخلاق)

مولانا عبدالعلی مدراسی کے صاحبزادے مولوی مقیم الدین صاحبؒ نے اپنی کتاب "صیقل" کے صفحہ، میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

نذر دو قسم کی ہے۔ ایک شرعی دوسری عرفی۔ یہی عرفی یعنی ہدیہ اور نیاز ہے جیسے کہ عرف عام میں کسی درویش یا عالم یا امیر سے کہدیتے ہیں کہ یہ آپ کی نذر ہے (نذر گویا ایک قسم کا عہد ہے)

اگر یہ عہد اللہ سے ہے تو یہی شرعی نذر ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اسکی تفصیل موجود ہے اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ عبادت کا عہد ہے (یعنی نفل نماز مانی ہے یا روزہ مانا ہے) تو اُسکو پورا کرے۔ خیرات کی نیت ہے تو اس کا مصرف زکوٰۃ وغیرہ ہے۔ مالدار لوگوں کو اسکا کھانا جائز نہیں۔ غریبوں محتاجوں کو خیرات دی جائے۔

اگر یہ عہد بندے سے ہے تو اس کا پورا کرنا لازمی ہے (قرآن شریف میں ہے۔ ان نذرتم من نذر فان اللہ یعلمہ (اگر تم کوئی نذر مانو تو اللہ کو اسکی خبر ہے) یعنی زندہ بزرگ کیلئے جو نذر ہو وہ اسکی خدمت میں پیش کر دینا چاہیئے۔ اگر ایسے بندے کی نذر ہے جو اس دنیا سے پردہ کر چکا ہے تو فاتحہ کے ذریعہ اُسکو پورا کر دینا چاہیئے۔ (یہ نذریں مالی یا بدنی دونوں ہو سکتی ہیں) اسی کو دوسرے الفاظ میں ایصال ثواب کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی خدمت میں نذر پیش کرنے کی سند

سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جب اغنیاء نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ فقراء کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع کم ملنے لگا تو عرض پیش کرنیوالوں کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا گیا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا ناجیتم	اے ایمان والو جب تم رسول کریم سے

الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ ذالکم خیر لکم واطہر فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم (۲۸واں پارہ ربع سے پہلے)	کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو۔ تو اپنی عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت ستھرا ہے پھر اگر تم کو مقدور نہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس حکم پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عمل کیا۔ ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کیے۔ ان مسائل کی تفصیل تفسیر خزائن العرفان میں اسی آیت کی تفسیر میں موجود ہے۔ جب حضرت علی ان مسائل کو دریافت کر چکے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رخصت نازل ہوئی اور سوائے حضرت علی کے اور کسی کو اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ حکم منسوخ ہو گیا مگر رخصت باقی ہے۔ چنانچہ علمائے عارفین کا خیال ہے کہ یہ اصل اور سند انکی ہے جو بزرگوں کی خدمت میں نذر پیش کیجاتی ہے اور مزارات اولیاء اللہ پر تصدق کیلئے شیرینی وغیرہ لیجاتے ہیں۔ (از تفسیر خزائن العرفان بحوالہ تفسیر مدارک وخازن مطبوعہ پاکستان کراچی) حضرت مولائے کائنات اکثر اس پر فخر فرمایا کرتے تھے کہ سب سے اول میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ یہ سنت اب بھی جاری ہے اور بحمد اللہ ہم سنت مرتضوی پر عامل ہیں۔

عربی زبان میں صدقہ کے لفظ کے بہت سے معنی ہیں اسکی تفصیل کیلئے ہماری کتاب حقائق دیکھیے۔ مختصر یہ کہ اس لفظ کے معنی تحفے کے بھی ہیں نیکی کے بھی ہیں اور نذر کے بھی ہیں رسالہ القرآن کراچی میں جو ہم نے ۴۰۔۔ہم حدیثیں لکھی ہیں اُس میں بھی ہم نے کسی قدر تفصیل بتلادی ہے۔

اسی مضمون نذر کو حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہ نے اپنی کتاب شرائط الوسائط کے صفحہ ۹، سطر ۱۲ میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

"صدقہ کا لفظ اپنے اندر مختلف قسم کے معنی رکھتا ہے۔ صدقہ رسول کیلئے حرام ہے۔ اس لیے اس آیت میں صدقہ کے لفظ سے نذر۔ ہدیہ۔ تحفہ مراد ہے۔ اسی آیت کے تحت بزرگوں نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ مرشد یا کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو تو کچھ نہ کچھ نذر ضرور پیش کرنا چاہیئے۔ تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب رہو۔"

تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہیں الحمد شریف کی تفسیر کے سلسلہ میں جو طویل عبارت ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند صحابی کسی جگہ سفر میں تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ ہمارے ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے کیا آپ لوگ کسی عمل سے اُتار سکتے ہیں۔ ایک صحابی نے کہا ہاں اور اس شخص کے ساتھ گئے اور الحمد شریف پڑھ کر سانپ کا زہر اُتار دیا۔ وہ آدمی اچھا ہو گیا تو لوگوں نے خوش ہو کر اُن کو نذر دی۔ یہ لیکر اپنے ساتھیوں میں آئے۔ کچھ حضرات نے پسند نہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ اسکی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا جائے۔ چنانچہ واپسی پر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سب واقعہ عرض کر دیا۔ حضور نے تمام واقعہ سُن کر فرمایا نذر لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اسمیں میرا بھی حصہ لگاؤ (کتاب تیسیر الوصول ص ۳۱۲ کتاب کشف مولفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ج صفحہ ۱۲۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی خوشی سے نذر دے تو اُس کا لینا جائز ہے۔ بزرگوں کیلئے اُسی چیز کی نذر دی جاسکتی ہے جس کا دینے والا مالک ہو۔ اسکی بابتہ یہ حدیث ہے

لیس علی المومن نذر فیما لایملک (مسند امام احمد و تجرید الاحادیث صفحہ ۲۹۲)	مومن جس چیز کا مالک نہیں اُس کو اسکی نذر ماننا لازم نہیں۔

مطلب صاف ظاہر ہے کہ دوسرے کے مال سے نذر نہیں دینا چاہیئے بلکہ جس مال کے

تم مالک اور مختار ہو اُسمیں نذر دے سکتے ہو۔ دوسرے کے مال سے نذر دینے کا تم کو کوئی حق نہیں۔

کتاب تابعین مولفہ شاہ معین الدین ندوی کے صفحہ ۴۹۲ میں لسلسلۂ حالات ہشام بن عروہ تابعی لکھا ہے کہ ابو جعفر منصور بادشاہ وقت نے ان کو دس ہزار روپے دینے کا حکم دیا۔ اسپر اُنھوں نے پوچھا آپ خوشی سے دے رہے ہیں یا جبر سے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو شخص خوشدلی سے عطیہ دیتا ہے تو اسمیں دینے والے اور لینے والے دونوں کو برکت ہوتی ہے۔ منصور (بادشاہ) نے کہا میں نے خوش دلی سے دیا ہے (تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۳۹)

نذر ماننا جائز

اور اُسکا پورا کرنا ضروری ہے

کتاب اُسوۂ صحابہ مؤلفہ مولوی عبد السّلام صاحب ندوی کے صفحہ ۱۶۹ میں ہے۔

"آپ جب کسی غزوے (لڑائی) میں تشریف لیجاتے تو صحابیات (یعنی صحابہ کی بیویاں) فرط محبت سے نذریں مانتی تھیں ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ (جاریہ سودا) نے کہا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح وسالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤنگی۔ آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر۔"

(کتاب احقاق السماع صفحہ ۱۲ د کتاب ترمذی)

اگر نذر ماننا یا گیت گانا ناجائز نہ ہوتا تو آپ ٹوک دیتے کہ ایسی نذر کیوں مانی۔ مگر آپ نے منع نہیں کیا۔ بلکہ نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دف کی بناوٹ پر غور کیجئے لکڑی کے چھوٹے چکر میں جھلی مڑھی ہوتی ہے۔ یہی بڑے سائز پر ہو تو اس کا نام ڈھول ہے۔ باجوں وغیرہ کے اندر کوئی برائی نہیں کیونکہ یہ بیجان چیزیں ہیں۔ ناجائز یا اُن کا جائز ہونا استعمال پر ہے حرام کام کیلئے استعمال ہو تو حرام ہے۔ اور حلال کام کیلئے ہو تو حلال ہے۔ انسانی نسل والی چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔ غرض استعمال کا اچھا یا برا طریقہ استعمال حکم کو بدل دیتا ہے۔ نذر ماننے کی بابت ایک یہ حدیث ہے۔

من جعل علیہ نذرًا فیما لم یسعہ فکفارتہ کفارۃ یمین (تجرید الاحادیث صفحہ ۳۲۷ بحوالہ کتاب دار قطنی)	جس نے ایسی چیزوں کی نذر مانی جسکی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ، قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔

قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو دو وقت کھانا کھلایا جائے یا دس محتاجوں کو اس قدر کپڑا پہنا دیا جائے کہ اُن کے بدن کا زیادہ حصہ ڈھک جائے اور اگر کوئی اس قدر غریب ہے کہ نہ کھانا کھلا سکتا ہے نہ کپڑا تقسیم کر سکتا ہے تو لگاتار تین روزے رکھے (پارہ ساتواں واذا سمعوا۔ تفسیر مواہب الرحمٰن صفحہ)

دین کی باتوں میں ادب کی ضرورت

مولوی انوار اللہ صاحب حیدرآبادی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب انوار احمدی کے صفحہ ۲۰۸ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین میں ادب کی بیحد ضرورت ہے جس کسی

کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی ہوتی ہے اُسکی دیانتداری میں بھی کچھ نہ کچھ علت ضرور ہوگی۔ شیطان بھکاتا ہے جسکی وجہ سے بھکنے والے کو کسی کی تعظیم اور ادب کا خیال ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ بخاری شریف کے حوالہ سے مولوی انوار اللہ صاحب نے صفحہ ۲۰۹ میں پوری حدیث لکھی ہے (جسکا جی چاہے دیکھ لے) ہم اس کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں:۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایکبار ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے اور حضورؐ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں بنو تمیم خاندان کا ایک شخص آیا اُس نے کہا یا رسول اللہ عدل کیجئے۔ حضرت نے فرمایا جب میں عدل نہ کروں گا تو کون عدل کرے گا۔ (اور جب تیرا یہ خیال ہے کہ) میں نے عدل نہیں کیا تو تو محروم و بے نصیب ہو گیا حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ حکم دیجئے اسکی گردن مار دوں۔ فرمایا جانے دو۔ اس کے رفیق ایسے لوگ ہیں کہ ان کی نماز اور روزوں کے مقابلہ میں تم لوگ اپنی نماز اور روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ یہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے کے نیچے نہ اُترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے کہ جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ باوجودیکہ تیر اس جانور کے پیٹ کی آلائش سے پار ہوتا ہے مگر نہ تیر میں کچھ لگا ہوتا ہے نہ اُس کے بندھن میں، نہ لکڑی میں نہ پر میں۔ انکی یہ نشانی ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح یا مثل پارہ گوشت حرکت کرتا ہوگا۔ یہ لوگ اُس وقت نکلیں گے جب لوگوں میں تفرقہ ہوگا۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس حدیث کو میں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے خود سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
ان لوگوں کو قتل کیا اور میں بھی حضرت علی کے ساتھ تھا اُنھوں نے فتح کے
بعد حکم دیا کہ اُس شخص کی تلاش کیجائے جسکی نسبت حضرتؐ نے خبر دی تھی
چنانچہ جب اسکی لاش لائی گئی تو دیکھا کہ جتنی نشانیاں حضرتؐ نے بیان
فرمائی تھیں وہ سب اسمیں موجود ہیں"۔

اب خیال فرمائیے کہ اس شخص نے آنحضرتؐ سے گستاخی کی۔ عدل پر اعتراض کیا اسی
بے ادبی پر واجب القتل ہوگیا۔ مگر چونکہ آنحضرتؐ کو یہ منظور تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ہاتھ سے اپنے تمام ہم مشربوں کے ساتھ مارا جائے اس لیے حضرت عمرؓ کی درخواست کے
باوجود اس وقت مارنے سے روک دیا گیا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ و ۲۹۹ سے ظاہر ہے کہ یہ خارجی لوگ تھے۔ اللہ کی عبادتوں
میں بہتر تھے۔ مگر صحابہ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ خودداری ایسی تھی کہ حسب صفحہ ۳۱۶ اپنی سمجھ
کے خلاف کوئی بات دیکھتے تو اعتراض کر بیٹھتے۔ ادب کو پاس نہ آنے دیتے اُنھوں نے توحید
کی حفاظت اور شرک وبدعت کے مٹانے کو اپنا فرض منصبی ٹھہرایا تھا۔ پھر اس ٹٹی کی آڑ
میں ہزارہا مسلمانوں کو کافر بتاتے تھے اور جو آیتیں کفار کی شان میں نازل ہوئی ہیں
مسلمانوں کو اس کا مصداق ٹھہرایا تھا۔ ابن تیمیہ کا بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ ابن تیمیہ
کے فتاوے صفحہ ۸۰ میں ہے کہ معاذ اللہ حضرت علی نے تین سو مسئلہ میں غلطی کی ہے (دیکھو امام الدین
صاحب سیالکوٹی کی کتاب وہابیوں کی امامت)۔ البیان المنصوص کے صفحہ ۱۴۲ میں ہے کہ
صحابہ کی تفسیر قرآن حجت نہیں (بدور الاہلہ صفحہ ۱۳۹)

حالانکہ مولوی انوار اللہ صاحب کی اسی کتاب انوار احمدی کے صفحہ ۲۱ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل نظر فی قلوب العباد فلم تجد قلباً انقی من قلوب اصحابی ولذالک اختارھم فجعلھم صحابا فما استحسنوا فھو عند اللہ حسن وما استقبحوا فھو عند اللہ قبیح (انوار احمدی ص ۲۱)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے پاکیزہ تر نہیں دیکھا۔ اس لیے اُن کو میری صحابیت کیلئے پسند فرمایا۔ جو کچھ وہ اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جو برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔

آجکل بھی ایسے لوگ نکلے ہیں جو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ ان کو اوپر والے واقعہ اور اس حدیث سے سبق لینا چاہیئے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰ سے ظاہر ہے کہ عبدالوہاب نجدی نے بھی توحید کو رواج دینے اور شرک کو مٹانے کا بہانہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ بے ادب اور گستاخ بنایا۔ عبدالوہاب نجدی جمعہ کے دن خطبے میں کہا کرتا تھا جو شخص نبی کا توسل کرے وہ کافر ہے حالانکہ اذان کی دعا اور قرآن شریف کی آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ سے توسل جائز ہے اگر جائز نہیں تو کعبہ کیطرف نماز پڑھنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے اور خدا کے درمیان کعبہ وسیلہ ہے۔

شیخ ابومنصور نے اپنی کتاب میں شیخ عینی کا بیان لکھا ہے کہ میں حضورؐ کے مزار کے قریب تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اُس نے قبر مبارک کی طرف متوجہ ہو کر کہا السّلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لو[1] جدوا اللہ توابا الرحیماہ میں حاضر ہوا ہوں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں. اور آپ سے شفاعت چاہتا ہوں. پروردگار سے میرے لیے بخشش مانگیے. کچھ اشعار بھی پڑھے پھر چلا گیا۔ میری آنکھ لگ گئی میں نے خواب میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس اعرابی کو جاکر خوش خبری سنادو کہ اللہ نے اسکو بخشدیا (تفسیر مدارک) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب جذب القلوب کے صفحہ ۲۱ میں بھی تقریباً اسی طرح کا واقعہ لکھا ہوا ہے۔

مولوی انوار اللہ صاحب کی اسی کتاب انوار احمدی کے صفحات ۳۳۱ و ۳۳۲ میں عبدالوہاب نجدی کا ذکر ہے کہ درود شریف کی کتاب دلائل الخیرات کو منع کرتا تھا اور زیارت قبور کا بھی مخالف تھا۔ رسول کے معنی طارش کہتا تھا یعنی ہرکارہ. معاذ اللہ! ابن تیمیہ اور ابن قیم۔ اسمٰعیل دہلوی۔ ان کے خیالات بھی عبدالوہاب نجدی کی طرح ہیں ہم اہل سنت والجماعت نہ رسول کو خدا سمجھتے ہیں نہ کسی ولی کو۔ یہ ان لوگوں نے زبردستی کا الزام ہمپر لگایا ہے. ہم لوگ قرآن شریف کی آیۃ وتعزروہ وتوقروہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم فرض سمجھتے ہیں. اس آیت کے باوجود یہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کو منع کرتے ہیں۔

بہت سے لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کر کے گفتگو

---

[1] اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر ہوں پس اللہ سے معافی چاہیں اور معافی مانگے ان کیلئے رسول تو بیشک اللہ کو وہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے۔

کیا کرتے تھے اور عام لوگوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارا کرتے تھے۔ اللہ کو ناگوار ہوا تو یہ آیت نازل فرمائی لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سورہ حجرات میں یہ آیت موجود ہے۔ اس میں عام لوگوں کی طرح آنحضرتؐ کو پکارنے کی بھی ممانعت ہے۔ آخری الفاظ یہ ہیں ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون یعنی ایسی بات (بے ادبی) کرنے سے تمہارے عمل بیکار نہ ہو جائیں۔ اس طرح خود خدا اپنے رسول کیلئے ادب سکھا رہا ہے۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے منع کیا ہے اور اُن کا قول ہے کہ درود شریف کی مجلس میں اور جہاں حضورؐ کا تذکرہ ہو۔ ہرگز ہرگز بلند آواز سے نہ بولا کرو۔

عبدالوہاب نجدی کے پیرو جو وہابی کہلاتے ہیں وہ اس وجہ سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کرتے کہ نجد کی بابت حضور کا ارشاد ہے۔ حدیث سنئے:

عن ابن عمر ذکر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فاظنہ فی الثالثہ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان (کتاب الاحمدی صفحہ ۳۲۲ و تاریخ مدینہ منورہ صفحہ ۱۵۵ بحوالہ البخاری وتاریخ ابل حدیث صـ۲)

حضرت ابن عمرؓ رسول اللہؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکت دے اور ہمارے یمن میں برکت دے عرض کیا لوگوں نے یا رسول اللہؐ اور نجد میں فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں برکت دے اور ہمارے یمن میں برکت دے۔ پھر نجد کے بارہ میں پوچھا گیا تو تین مرتبہ آپنے شام اور یمن ہی کے بارہ میں ذکر کیا دعا کی اور فرمایا وہاں یعنی نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اس سے شیطان کا سینگ نکلیگا

وہابیوں یعنی نجدیوں کا حال معلوم ہونے کیلئے کتاب تاریخ اہلحدیث دیکھئے کہ عبدالوہاب نجدی نے کیا فتنہ برپا کیا تھا۔ یہی شیطان کا سینگ ہے۔ اس نے اپنے بیٹوں کے نام حسن حسین رکھے تھے۔ اپنے نائبوں کو خلفائے راشدین کا لقب دیا تھا۔ غالباً نبوت کا دعویٰ کرنیوالا تھا۔ تاریخ مذاہب الاسلام کے صفحہ ۵۹ سے ظاہر ہے کہ صدیوں سے "اہل سنت والجماعت" ہم لوگوں کا نام چلا آرہا تھا۔ مگر نئے نام تراشنا اور جماعت بندی آجکل کا فیشن ہوگیا ہے حالانکہ نئے نام کی جماعت بندی سے حکومت کی نظروں میں مشکوک ہونے کے علاوہ ریاکاری کا بھی اندیشہ ہے۔ ادعائے توحید کے باوجود نیا نام تراش کر "اہلسنت والجماعت" کی وحدت کو نقصان پہنچانا فرقہ بندی نہیں تو اور کیا ہے جس کے دل میں کھوٹ ہوگی اور انتقامی جذبہ ہوگا۔ عقیدوں میں فرق ہوگا وہی اہل سنت والجماعت کے نام کو بدلے گا۔ توحید پھیلانے شرک مٹانے کا دعویٰ ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم سے انکار۔ یہ کوئی محبت نہیں۔

حدیث شریف ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ وولدہ ووالدیہ والناس اجمعین (تفسیر پارہ سیقول مواہب الرحمان صفحہ ۶۳ وحدائق آخرت صفحہ ۱۳) اطیب البیان بحوالہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲	کوئی تم میں پکا ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک مجھ کو اپنی جان۔ اولاد۔ ماں۔ باپ اور سب لوگوں سے زیادہ نہ چاہے۔

لے اس کے لیے کتاب تذکرہ شاہ ولی اللہ کا صفحہ ۱۰۰ دیکھئے اور وہابیوں نے اپنا شدہ شدہ سے شہادت کی انگلی کاٹ ڈالی تھی۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ ۲۰۹۔ ۔

ابن تیمیہ کی طرح کچھ ابن قیم بھی آنحضرت کی تعظیم کے منکر تھے اور درود شریف میں لفظ صلوٰۃ سے رحمت مراد نہیں لیتے تھے۔ ابن قیم نے پانچ چھ اعتراض کیے ہیں۔ مولوی انوار اللہ صاحب نے اپنی کتاب "انوار احمدی" میں ان سب کا جواب دیا ہے دیکھیے صفحہ ۹۶ سطر ۱۸۔

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے بھائی کی طرح جانتے ہیں۔ معاذ اللہ حضورؐ کے لیے ہر قسم کی تعظیم ان کے نزدیک شرک ہے۔ ان کو چاہیے کہ مولوی محمد اعظم صاحب (ساکن میر دوال تحصیل شاہدرہ ضلع شیخوپورہ پنجاب) کی کتاب "**بے مثل بشر**" دیکھیں۔ حضور تو خدا کے رسول ہی ہیں عام انسان جس کا نام محمد ہو اُسکی تعظیم کیلئے خود حضور نے حکم دیا ہے اسکے متعلق مولوی انوار اللہ صاحب نے صفحات ۲۷۷، ۲۷۸ میں کئی حدیثیں لکھی ہیں جنمیں سے ایک یہ ہے۔

وعن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا سمیتم محمدًا فلا تخیبوہ ولا تحرموہ وتقبحوہ بورک فی محمد رواہ الدیلمی (صفحہ ۲۷۸ انوار احمدی)	جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کسی کا نام محمد رکھو (جو جس گھر یا جس مجلس میں اس نام والا ہو) اُسکو بے نصیب اور محروم نہ کرو (لفظ محمد میں برکت رکھی گئی ہے)۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؂

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

مولوی انوار اللہ صاحب نے ادب اور بے ادبی میں جو حد فاصل قرار دی ہے اُنھیں کی زبان سے سُنیئے انوار احمدی کے صفحہ ۲۰۲ اور ۲۰۳ کی عبارت یہ ہے

"کسی بزرگ نے کہا ہے "نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم[1]" منشا اس کا اگر دیکھیے تو صرف یہی ہے کہ اپنے سارے اعمال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا ہے جس سے ندامت کے پورے پورے آثار دل میں نمایاں ہیں اور قریب ہے کہ توبہ کا دروازہ کھل جائے اور شفیع المذنبین کے اشفاق و مراحم کا تصور ادائے شکریہ میں مصروف کر دیتا ہے کہ ہر چند ہم میں قابلیت نہیں مگر شان رحمۃ للعالمینی ہے کہ اس درجہ قدر افزائی کی۔ ایسے آقا مہربان پر قربان ہونا چاہیئے کہ ہم جیسے غلاموں کو بھی یاد کیا اور اس سرفرازی کیساتھ جو دوسروں کو نصیب نہیں الحاصل اس حدیث شریف کے ذکر کے وقت اس شخص کی کچھ اور ہی کیفیت ہے نورانیت کے وہ آثار مرتب ہیں جو عموماً اعمال پر غالباً مرتب ہوسکیں اس قسم کی قدر افزائیوں کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جنکو بارگاہ نبوی کیساتھ خاص قسم کی نسبت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایکبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اجازت دے کر فرمایا اے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھولو۔ وہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد نے مجھ میں اس قدر اثر کیا کہ اگر روئے زمین میری ملک ہوجائے تو ان الفاظ کے مقابلہ میں وہ کچھ چیز نہیں۔ کما فی کنز العمال عن عمر رضی اللہ عنہ قال استاذنت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی العمرۃ فاذن لی وقال اشرکنا اخی من دعائک وقال اشرکنا یا اخی فی دعائک کلمۃ ما احب الی بہا ما

---

[1] اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے ؎ زانکہ نسبت بسگ کوئی تو شد بے ادبی۔ درد

طلعت علیہ الشمس ط وابن سعد حم دت حسن صحیح ہ ع والشاشی
ق بظاہر یہ ارشاد حضرت کا ایسی بڑی بات نہیں مگر اس وقعت کا اندازہ
عمر رضی اللہ عنہ ہی کا دل کرسکتا تھا کہ تمام روئے زمین کی سلطنت ایک طرف
تھی اور اس مختصر سے کلمہ کی شان دلربائی ایک طرف. غرض اس حدیث مذکورہ
بالا کو سنکر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوگی جو خارج از بیان ہے.
اور ایک شخص وہ ہوگا کہ اس حدیث شریف سے یہ بات نکالے گا کہ اخوت امر
اضافی ہے. تقدم و تاخر زمانہ کے اعتبار سے اگر فرق ہے تو بڑے چھوٹے کا ہے
یعنی حضرت بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی نعوذ باللہ من ذالک
ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے صرف اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری سمائی
اور یہ خیال بڑھتا چلا گیا. یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان انتم الا بشر تک پہنچا دیا
اب یہ شخص اس دُھن میں ہوگا کہ جہاں تک پہنچا ہے وہیں اوروں کو بھی پہنچا دے
شاید اس کے خیال میں یہ کبھی نہ آیا ہوگا کہ ہم کہاں اور شان رحمۃ للعالمین
وسید المرسلین کہاں. چہ نسبت خاک را با عالم پاک. اکثر اکابر اور سلاطین
خادموں اور غلاموں کو بھائی کہدیا کرتے ہیں بلکہ خود حدیث میں وارد ہے کہ تمہارے
غلام تمہارے بھائی ہیں. اگر بادشاہ کے کہنے سے یا اس حدیث سے خدام اور
غلام اپنے آقا کو بھائی کہنے لگیں تو ظاہر ہے کہ نہایت بے ادب اور احمق
سمجھے جائیں گے. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود اس قرابت کے جو اظہر من الشمس
ہے اپنے کو حضرت کی غلامی سے منسوب کیا ہے چنانچہ مستدرک میں حاکم
نے روایت کیا ہے عن سعید بن المسیب قال لما ولی عمر بن الخطاب

خطب الناس علی منبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فحمد اللہ
واثنی علیہ ثم قال ایھا الناس انی قد علمت انکم تؤانسون منی
شدۃ وغلظۃ وذالک انی کنت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
فکنت عبدہ وخادمہ وکان کما قال اللہ تعالیٰ بالمومنین رحیما
فکنت بین یدیہ کالسیف المسلول ان یغمدنی اوینھانی عن
امر فاکف الا اقدمت علی الناس لمکان لینۃ ھذی احببہ الاسنا

ترجمہ: روایت ہے سعد بن مسیب سے کہ جب حضرت عمر بن خطاب مسند نشین خلافت
ہوئے. رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر خطبہ پڑھا کہ آپ لوگ مجھ میں جو
شدت اور سختی دیکھتے ہیں اُس کا سبب یہ ہے کہ میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ
علیہ وسلم کا غلام اور خادم تھا. چونکہ حضرت رحیم تھے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا
ہے وکان بالمومنین رحیما اور لوگ حضرتؐ کی نرمی کی وجہ سے جرات
کرتے تھے اس لیے میں حضرت کے روبرو مثل شمشیر برہنہ کے رہتا. اگر منع فرمادیتے
تو باز رہتا ورنہ پیش قدمی کرتا. حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے"۔

غرض حضورؐ کو بڑے بھائی سمجھنا یا باپ کے برابر سمجھنا یہ کوئی تعظیم نہیں ہے اسی لیے
اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولاکن رسول اللہ و
خاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیما ہ مولوی انوار اللہ صاحب نے اسی کتاب
کے صفحہ ۲۰ میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے

"جب اللہ نے فرمایا کہ حضرت کسی کے باپ نہیں تو اب یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر
ہم حضور کو کیا سمجھیں. اس لیے اللہ نے آگے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے رسول اور

خاتم النبیین ہیں۔ مطلب یہ کہ دونوں مرتبوں میں کوئی نسبت نہیں۔
پہلے خیال کو چھوڑ دو اور حضرت کو انھیں کے مراتب کیساتھ متصف
سمجھو۔ اور فرق مراتب کو اللہ پر چھوڑ دو۔ وہی ہر چیز کو جانتا ہے تمھاری
عقلیں ان اُمور کو نہیں پہنچ سکتیں"۔

اب ذرا غور کیجیے۔ ابوجہل نے آنحضرتؐ کو دیکھا مگر کافر ہی رہا۔ فاروق اعظم نے دیکھا اور مسلمان ہو گئے۔ یعنی ابوجہل کا دیکھنا صرف محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے تھا ہدایت نہیں پائی۔ صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ کے اعتبار سے دیکھا صدیق ہو گئے۔ معلوم ہوا دیکھنے دیکھنے میں بھی فرق ہے اسی باریک فرق کو ادب اور تعظیم کیلئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اس طرح فرما رہا ہے۔

وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون (نواں پارہ ثلث سے پہلے) ترجمہ: وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے۔ اس آیت سے معلوم ہوا یوں دیکھ لینا مفید نہیں جو ادب اور تعظیم سے دیکھتا ہے اور جسپر آثار مرتب ہوتے ہیں وہ کچھ اور ہی دیکھنا ہے۔ جس سے بارگاہ رسول اللہ میں ایمان حقیقی کا درجہ ملجاتا ہے کیونکہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور بصیرت یعنی دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور چیز ہے جو سراسر حقیقی ایمان ہے اوپر والی آیت میں ینظرون اور یبصرون دونوں سے اس کا فرق ظاہر ہو رہا ہے۔

غرض فاتحہ درود والے سُنی حنفی مسلمانوں کی جماعت کے علاوہ جو جماعت بھی توحید پھیلانے اور شرک مٹانے کا دعویٰ کرے۔ فاتحہ درود کو منع کرے سمجھ لو بے ادب نجدی جماعت اب اس بھیس میں ہے۔ مولوی انوار اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سنی مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ انوار احمدی کے صفحہ ۲۱ سے لیکر ۲۲۸ تک تفصیل سے تمام متعلقہ اُمور اور وہ تمام حدیثیں بتلادی ہیں جن سے سنی حنفی مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا ہے

اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ایسی جماعتیں قیامت کے قریب دجال سے ملجائیں گی۔ انوار احمدی کے صفحہ ۳۲۲ سطر ۵ میں مولوی انوار اللہ رح تحریر فرماتے ہیں۔

"اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے کہ یہ فرقہ کئی بار ظہور کرے گا عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم یخرج ناس من المشرق یقرئن القراٰن لایجاوز تراقیھم کل ما قطع قرن نشاء قرن حتی یکون اٰخرھم مع مسیح الدجال: ترجمہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ مشرق کیطرف سے نکلیں گے وہ قراٰن پڑھیں گے مگر اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا جب ایک کاٹا جائیگا دوسرا نکلیگا یعنی ایک فرقہ کا استیصال کیا جائیگا تو دوسرا ظہور کریگا یہانتک کہ وہ آخر میں دجال کے ساتھ رہیں گے۔ اسکو امام احمد اور طبرانی اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے":

بار بار ان کا ظہور ایمان والوں کے امتحان کیلئے معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے شہید ہونے اور ان کے قتل کے متعلق صفحہ ۳۲۴ میں یہ حدیث ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یخرج من اُمتی قوم یقرئون القراٰن لایجاوز حناجرھم یقتلون اھل الاسلام فاذا خرجوا فاقتلوھم فطوبیٰ لمن قتلھم وطوبیٰ لمن قتلوہ کلما طلع منھم قرن قطعہ اللہ عزوجل حمرکذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے ابن عمر سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نکلے گی ایک قوم میری اُمت سے کہ قراٰن پڑھے گی مگر اس کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا وہ اہل

اسلام کو قتل کرے گی جس نے اسکو (اس قوم کو) قتل کیا اُس کے لیے خوشخبری ہے اور جسکو انہوں نے شہید کیا اُس کے لیے خوش خبری ہے۔ اسکی (اس قوم کی) جب کوئی شاخ نکلے گی حق تعالیٰ اسکو کاٹ دیگا۔ امام احمد حنبلؒ نے اس کو روایت کیا"

آنحضرتؐ کی عزت و محبت اور تعظیم

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وتعزروہ وتوقروہ (پارہ ۲۶ سورہ فتح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور توقیر کرو۔ اس کے علاوہ بھی قرآن شریف میں حضور کی تعظیم کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں۔ مثلاً:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ پانچواں پارہ	جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے اللہ کا حکم مانا۔
لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (سورہ حجرات)	ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کیا کرو (او پیغمبر کے سامنے) ایکدوسرے کی طرح آوازے چلایا نہ کرو ایسا نہو تمھارے عمل بیکار ہو جائیں۔ تم کو شعور ہی نہیں۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ اگر ہم نے نبی کی تعظیم اور عزت نہ کی تو ہمارے عمل بیکار ہو جائیں گے۔ یعنی خدا کے یہاں قبول ہی نہ ہوں گے۔ اسی سورہ حجرات میں ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ	جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آواز

اولٓئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم	پست رکھتے ہیں (چپکے بولتے ہیں) یہ وہی لوگ ہیں جنکو اللہ نے پرہیزگاری کے امتحان میں کامیاب کر دیا ہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

جو لوگ آپ کی تعظیم اور ادب کا خیال نہیں رکھتے اور عام لوگوں کیطرح آپ کو پکارا کرتے تھے اُن کو ادب سکھانے کے لیے یہ آیت اُتری۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون	جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارا کرتے ہیں اُن میں اکثر ناسمجھ ہیں۔

ایک اور آیت ہے جسمیں تذکرہ ہے کہ کافر لوگ راعنا سن کر اس لفظ کا مذاق اُڑاتے یعنی راعینا کہتے۔ خدا نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم یہ لفظ کہنا ہی چھوڑ دو۔ انظرنا کہا کرو تاکہ بے ادبی نہو اور کافروں کو مذاق اُڑانے کا موقع نہ ملے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا (پہلا پارہ)	ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو۔ انظرنا کہا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضری کا اللہ نے یوں ادب سکھایا۔

یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (نواں پارہ سورۂ انفال)	ایمان والو! اللہ اور اُسکے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جایا کرو جب رسول تم کو اس چیز کیلئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے۔

یہ آیت گویا آنحضرت سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کے پھولوں کا گلدستہ ہے۔ اس میں کئی طرح پر حضور کی نعت شریف ثابت ہے اس طرح رب العالمین نے

صحابہ کرام کو اس بارگاہ میں حاضری کا ادب بھی سکھایا ہے یعنی حضور سے نہیں کہا کہ آپ ان کو اپنا ادب سکھائیے بلکہ اللہ نے خود ادب کی تعلیم دی کہ مسلمانو اس بارگاہ میں رہنے کا ادب یہ ہے کہ اگر تم کو کسی وقت ہمارے محبوب پکاریں تو تم کسی حال میں بھی ہو نماز یا وظیفے میں یا گھر کے کسی کام میں ہو۔ غرض جس حال میں ہو تمام کاروبار چھوڑ کر بارگاہ مصطفےٰ میں فوراً حاضر ہو جاؤ۔ دیر نہ لگاؤ۔

صحیح بخاری کی شرح قسطلانی کتاب التفسیر سورۂ حجر میں ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور نے آواز دی۔ نماز پوری کر کے حاضر ہوئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم کو دیر کیوں ہوئی؟ عرض کیا نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم جس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ حضور بلائیں تو نماز چھوڑ کر حاضر ہو جائے

صحیح بخاری شریف صفحہ ۶۴۲ میں یہ عبارت ہے:

عن ابی سعید معلّٰی قال کنت اصلّی فی المسجد فدعانی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم اجبہ فقلت یا رسول اللہ انی کنت اصلی فقال الم یقل استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (نواں پارہ)	ابی سعید معلی سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ نے مجھے پکارا میں نے جواب نہیں دیا (نماز کے بعد) عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی استجیبوا۔ یعنی اللہ و رسول کو جواب دو جب وہ پکاریں تاکہ تم کو زندگی بخشیں۔

صحیح بخاری کی شرح کرنے والے علامہ عینی لکھتے ہیں وجب الاجابۃ ولا تبطل الصلوٰۃ یعنی جواب دینا واجب ہے نماز نہیں ٹوٹتی۔ سبحان اللہ! یہ ہے اللہ کا فضل کہ بندہ

نماز میں خدا کے روبرو کھڑا ہے۔ ایسی حالت میں بھی حضورؐ کو جواب دینا واجب ہے۔ جتنی دیر بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہے جو خدمت فرمادیں اُسکو پورا کرے پھر بھی نماز ہی میں ہے دیکھو قسطلانی شرح صحیح بخاری۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے اور رسول کے بلانے کا تذکرہ فرمایا ہے ظاہر ہے کہ اللہ بلاواسطہ کسی کو پکارتا نہیں اور نہ کسی کے کان میں اللہ کی آواز آتی ہے تو لامحالہ رسول اللہ ہی پکاریں گے۔ ان کا پکارنا خدا کا پکارنا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ خدا نے اذا دعاکم واحد کا صیغہ ارشاد فرمایا ہے۔

آگے چل کر اس آیت میں لما یحییکم آیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی بخشتے ہیں۔ اس سے زندہ مردہ اور ہر قسم کی زندگی بخشنے کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں بہت سے ایسے واقعات تحریر کیے ہیں جن سے حضور کا مُردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے۔ منجملہ ان کے دو یہ ہیں۔

حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ کے یہاں حضورؐ کی دعوت تھی۔ انھوں نے بکری ذبح کی ان کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو ذبح کردیا اور ذبح کرکے اپنی والدہ کے خوف سے چھت پر بھاگ گیا وہاں سے پاؤں پھسلا تو وہ بھی گر کر مر گیا۔ جابرؓ کی بیوی نے دونوں بچّوں کی لاشوں کو چھپادیا تاکہ دعوت میں ہرج نہ ہو۔ جب کھانے کے لیے سرکار تشریف فرما ہوئے تو فرمایا جابرؓ اپنے بچّوں کو بلاؤ ہم اُن کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ حضرت جابرؓ نے سارا واقعہ عرض کردیا تب حضورؐ نے اُن کو زندہ فرمایا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

ایک جگہ حضورؐ دعوت میں تشریف لے گئے۔ بکری ذبح کی گئی۔ فرمایا گوشت کام میں لاؤ مگر ہڈی نہ توڑنا۔ پھر کھانا تیار ہوا۔ کھانا نوش فرمایا۔ پھر ہڈیوں کو جمع فرماکر دعا کی وہ

بکری زندہ ہوگئی۔ (مدارج النبوت فصل معجزات)

ایک بار حضور پر نورؐ نے حضرت انسؓ کے گھر پر ایک دعوت میں دستر خوان سے اپنے دست مبارک پوچھے تھے۔ اس کے بعد جب کبھی وہ دستر خوان میلا ہوجاتا تو حضرت انسؓ اسکو آگ میں ڈالدیا کرتے وہ صاف شفاف ہوجاتا (مثنوی شریف)

غرض انسانوں جانوروں پتھروں لکڑیوں وغیرہ سب کو حضور نے جان بخشی ہے۔ ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں نے آپ کا کلمہ پڑھا۔ جب چونے مٹی کا ممبر بن گیا تو ممبر والی لکڑی آپ کیلئے روئی۔ (مثنوی شریف) حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف مردہ انسانوں کو زندہ کرتے تھے مگر حضورؐ نے بیجان چیزوں کو بھی جان بخشی۔ ہزاروں مردہ دلوں کو زندہ فرمادیا یہ سب اتباعات لما یحییکم کے تحت آجاتے ہیں۔ غرض حضور کو ہم اپنی طرح نہ سمجھیں۔ تفصیل کیلئے کتاب بے مثل البشر دیکھئے۔ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب جامع الصغیر مطبوعہ مصر جلد دوم کے صفحہ ۱۴۰ میں ہے۔

اخرج ابن عساکر عن علی ابن ابی طالبؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو اخذ شعرۃ یقول من اذیٰ شعرۃ من شعری فالجنۃ علیہ حرام (بے مثل البشر ص۳۵)	ابن عساکر نے علی ابن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ایک بال کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جسنے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی تو اس پر جنت حرام ہے۔

حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میرے نام پر جس کا نام رکھا جائے اسکی تعظیم کرو۔ تو خود حضور کی تعظیم کرنا کیوں لازمی نہ ہوا۔ حدیث شریف ہے:۔

اذا سمیتمہ محمداً فلا تضربوہ ولا تحرموہ (تجرید الاحادیث صفحہ ۲۲ بحوالہ کتاب بزار)	جب تم کسی کا محمد نام رکھو تو نہ اُسکو مارو نہ اُسکو محروم رکھو۔

پانچویں پارے کی تفسیر مواہب الرحمان کے صفحہ ۱۲ میں ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کے لیے میرے پاس کچھ نماز روزہ کا بہت سامان نہیں ہے لیکن میں اللہ اور اُس کے رسول کو محبوب (دوست) رکھتا ہوں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تو جس سے محبت رکھتا ہے اُسی کے ساتھ ہے۔ غرض یہ کہ رسول کی محبت اصل چیز ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کلام اللہ صرف خدا کی توحید اور نماز روزے کے احکام کے لیے ہے بس۔ حالانکہ صرف یہی بات نہیں ہے بلکہ خدا نے مسلمانوں کو اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کیلئے بھی اسکو نازل فرمایا ہے۔ رسول کی عظمت جن آیتوں سے ظاہر ہوتی ہے اُن کو بھی گناے دیتا ہوں۔

لا ترفعوا اصواتکم ۔ ینادونک من وراء الحجرات ۔ لا تقولوا راعنا ۔ لا تجعلوا دعاء الرسول ۔ ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ

اس کے علاوہ ذرا غور تو کیجئے ۔ اس سے بڑھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت خصوصیت اور رفعت کیا ہوگی کہ اللہ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت ۔ نبی کے خاک اُٹھا کر پھینکنے کو اپنا خاک اُٹھا کر پھینکنا ۔ رحمۃ اللعالمین کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ یہ اللہ کی انتہائی محبت ہے ۔ اسکے ثبوت میں یہ آیتیں ہیں۔

(۱) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (پانچواں پارہ نصف سے پہلے) (۲) ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (نواں پارہ) (۳) ید اللہ فوق ایدیھم (۲۶واں پارہ)

اب بھی اگر رسول کی عظمت اور محبت سے لاپرواہی کیجائے تو مسلمان کیلئے کتنے شرم کی بات ہے جس کے دلمیں رسول کی محبت ہوگی وہ کبھی میلاد شریف کو منع نہیں کریگا سلام پڑھنے کھڑا ہو جائے گا۔ درود شریف کی مجلس میں شرکت کیلئے بیچین رہیگا۔

فقہ کی کتاب ہدایہ کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تک مجھ پر اور میری آل پر درود نہ پڑھا جائے، نماز قبول نہیں ہوتی اس کے سوا درود شریف کے بغیر دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ حدیث شریف ہے۔

عن انس بن مالک رض عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال ما من دعاء الا بینہ وبین السماء حجاب حتی یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاذا صلی علیہ تحرق ذالک الحجاب ویدخل الدعا وان لم یصل یرجع دعاءہ (قرۃ الواعظین ترجمہ درۃ الناصحین صفحہ ۳۵۰)	حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی دعا مگر اس کے اور آسمان کے درمیان ایک پردہ ہوتا ہے جبتک درود نہ پڑھا جائے پھر جب درود پڑھا جاتا ہے تو وہ پردہ جل جاتا ہے اور دعا (آسمان میں) داخل ہو جاتی ہے۔ اگر درود نہ بھیجا جائے تو دعا واپس ہو جاتی ہے۔

انگوٹھے چومنا (حضور کے نام پر)

رسالہ آستانہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء کے صفحہ ۳۲ میں اس کے متعلق جناب مولوی خبیر حسن صاحب عثمانی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ جو باوجود مختصر ہونے کے نہایت جامع اور مدلل ہے اسی کو ہم یہاں درج کردینا مناسب سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔

"زمانہ خلفائے راشدین سے تمام اکابرین وصلحائے اُمت بلکہ عامۃ المسلمین کا معمول رہا ہے کہ وہ جب موذّن کی زبان سے اشہد ان محمد رسول اللہ سنتے ہیں تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہہ کر اپنی آنکھوں کیلئے نور اور دل کیلئے سامان قرار فراہم کرتے ہیں بعض نافہم اور کم علم داعیان اصلاح نے اس سنت جاریہ کو بدعت قرار دے کر مسلمانوں کو اس عظیم ترین سعادت سے محروم کرنا چاہا ہے اور لکھا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ اور اس فعل کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور نہ زمانہ رسول و خلفائے راشدین میں اس فعل کا وجود ثابت ہے لیکن کتب احادیث کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے ظواہر کا یہ قول سراسر کم علمی و نادانی پر مبنی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمانہ قیام جنت میں حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیری صلب سے ہیں اور ان کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔ جب آدم علیہ السلام کا اشتیاق درجۂ غایت کو پہنچا تو حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت حضرت آدمؑ کے دونوں انگوٹھوں کی صفائی میں ظاہر کردی جس پر آدم علیہ السلام نے نہایت محبت سے دونوں انگوٹھوں کو آنکھوں سے لگایا۔ تب سے یہ فعل آپ کی اولاد کے لیے مسنون قرار پایا حضرت جبرئیلؑ نے جب یہ قصہ حضور سرور عالم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرا نام اذان میں سنا اور اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو بوسہ دیا اور

آنکھوں سے بلاوہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے۔ جب وہ اشہد ان محمد رسول اللہ پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا یہ دیکھ کر حضور سرور عالم نے حضرت عمر سے فرمایا عمر تم نے یہ کیا کیا عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آپ کا اسم مبارک اذان میں سنا۔ بسبب غلبہ محبت میں نے اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ حضور پر نور نے فرمایا جو شخص مثل عمر کے کرے گا میں اُسکو قیامت کے دن تلاش کر کے جنت کیطرف لیجاؤں گا۔

سالک السالکین میں لعینہ اسی قسم کا واقعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے کہ جب اذان شروع ہوئی تو ایک روز جمعہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ستون سے کمر لگا کے بیٹھ گئے اتنے میں حضرت بلال اذان دینے لگے۔ بلال نے جب اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے ملے اور کہنے لگے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اذان کے بعد حضور آقائے نامدار نے فرمایا کہ اے ابوبکر جو شخص شوق و محبت میں ایسا کرے گا جیسا تم نے کیا اللہ اُس کے گناہ قدیم و جدید، عمد و خطا پوشیدہ و ظاہر سب معاف کر دے گا۔ اور میں اُس کا شفیع ہوں گا۔

ابن عینیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ بھی

اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے رضیت باللہ ربا و بالاسلام
دینا و بمحمد نبیاً"

علامہ شیخ زادہ نے وقایہ کی شرح میں اور مسعودی نے کنز العباد میں
لکھا ہے کہ یہ فعل سنت ہے اور اس کے مسنون ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ یہ
طریقہ مرضیہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ہے۔ کنز العباد میں لکھا ہے کہ
اشہد ان محمد رسول اللہ پہلی بار سنکر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہنا چاہیئے
اور دوسری بار قرۃ عینی بک یا رسول اللہ۔ بہرحال جب یہ فعل خلفائے اربعہ
کا معمول تھا اور تمام اکابر و صالحین اُمت کا اس پر عمل جاری ہے تو یہ فعل مسنون
اور باعث صد ہزار اجر و ثواب و خیرات و حسنات ہے"

اب اگر کسی صاحب کو اس کے متعلق اور تحقیق منظور ہو تو مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ
علیہ کی کتاب تقبیل الابہامین (یعنی انگوٹھوں کا چومنا) دیکھیں۔

اس کے علاوہ مولوی انوار اللہ صاحب حیدرآبادی (فضیلت جنگ) کی کتاب انوار
احمدی کے صفحات ۱۸۱ تا ۲۸۷ دیکھیے۔ اس میں انگوٹھے چومنے کے متعلق وہ سب حدیثیں لکھی
ہوئی ہیں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔

مُصَافحہ

مصافحے کے متعلق بھی چند حدیثیں سُن لیجئے تاکہ آپ کو اس سے انکار نہ ہو۔

تصافحوا یذھب الغل من قلوبکم (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث صفحہ ۱۲۲)	باہم مصافحہ کرو۔ کیونکہ مصافحہ دلوں کے حسد کو دور کرتا ہے۔

تقبیل المسلم ید اخیہ المصافحۃ (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث صفحہ ۱۳۲)	مسلمان بھائی کا ہاتھ چومنا مصافحہ ہے۔
تہادوا و تحابوا و تصافحوا یذھب الغل عنکم (تجرید الاحادیث صفحہ ۱۳۳ بحوالہ ابن عساکر)	باہم ہدیہ دیا کرو تو محبت بڑھے گی اور مصافحہ کیا کرو۔ حسد دور ہوگا۔
من تمام التحیۃ الاخذ بالید (تجرید الاحادیث بحوالہ ترمذی شریف)	سلام کی تکمیل یہ بات ہے کہ ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا جائے۔

کتاب تحقیق کے صفحہ ۱۶ میں ہے کہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے اس فرمودہ پر توجہ فرمائیے "شیخ ابوالمسعود مصافحہ می کرد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد ہر نماز" یعنی شیخ ابوالمسعود سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد مصافحہ کیا کرتے تھے۔ دو حدیثیں اور ہیں۔

اذا التقی المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفرلہما (ابوداؤد وجامع الصغیر ص۱۴۹)	جب مسلمان ملاقات کریں پھر مصافحہ کریں اور دونوں اللہ کی حمد کریں اور استغفار کریں تو اُن کے لیے بخشش ہے۔
اذا تصافح المسلمان لم تفرق کفہما حتی یغفرلہما (طبرانی وجامع الصغیر ص۱۶۱)	جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے ہاتھ جدا نہیں ہونے پاتے کہ اللہ اُن کے (چھوٹے) گناہ بخشدیتا ہے۔

کتاب وشاح الجید فی تحلیل المعانقۃ بعد العید کے صفحہ میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

ما لقیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	میں حضور اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتا

فقط الی صافحنی و لعث الی ذات یوم ولم اکن فی اہلی فلما جئت اخبرت بہ فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود	تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایکدن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا آیا تو خبر پائی حاضر ہوا حضور تخت پر جلوہ فرما تھے گلے سے لگا لیا تو یہ اور زیادہ کرم اور بخشش تھی۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ میں ہے کہ ردالمحتار۔ مرقاۃ۔ دُرر۔ غرر۔ کنزالدقائق۔ وقایہ نقایہ۔ مجمع ملتقیٰ۔ ایضاح۔ اصلاح تنویر وغیرہ ان سب میں مصافحہ کی اجازت ہے صفحہ ۱۸ میں ہے کہ مصافحہ پانچوں نمازوں اور نماز جمعہ اور نماز عید کے بعد کیا جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی وقت کیلئے مخصوص نہیں فرمایا ہے۔ صفحہ ۱۹ میں بحوالہ حاشیہ درالمختار لکھا ہے ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت ہے۔

خوشی کے موقع پر گلے ملنا

اسلامی اُخوت اور اظہار محبت دینی کیلئے گلے ملنے کے متعلق یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں۔
کتاب الاخوان اور فردوس دیلمی میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

سألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم وصالح ودھم وان اول من عانق خلیل اللّٰہ ابراھیم ؑ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گلے ملنے کو پوچھا آپ نے فرمایا یہ اُمتوں کا تحفہ ہے اور ان کی اچھی دوستی (کا اظہار) ہے سب سے پہلے گلے ملنے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ضمنی النبی صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم الی صدرہ فقال اللھم علمہ الحکمۃ (وشاح الجید صفحہ ۶)	حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ پھر دعا فرمائی الہٰی اسے حکمت سکھا دے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔

قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احد خیر امنہ ولا افضل ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلہ والتزمہ (وشاح الجید ۸)	ہم نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپنے فرمایا اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر اللہ نے کسی شخص کو بزرگ تر نہیں بنایا۔ اسکی شفاعت نبیوں کی شفاعت کی طرح ہوگی اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی نظر آئے۔ حضور کھڑے ہوگئے اُن کو پیار کیا اور گلے لگایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال صعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم علی المنبر ثم قال این عثمان بن عفان فوثب وقال انا ذا یا رسول اللہ فقال ادن منی فدنا منہ فضمہ الی صدرہ وقبل بین عینیہ الخ (وشاح الجید صفحہ ۱۰)	حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا عثمان کہاں ہیں عثمان رضی بیتابانہ اُٹھے اور عرض کی حضور میں یہ حاضر ہوں آپنے فرمایا قریب آؤ۔ قریب گئے تو حضور نے سینے سے لگایا اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

مسلمان بھائی سے گلے ملنے کی بابت یہ صاف حدیث ہے:

قد عانقت اخی عثمان فمن کان لہ اخ فلیعانقہ (تجرید الاحادیث صفحہ ۲۳۰ بحوالہ کتاب حدیث ابن عساکر)	میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا (گلے ملا) جس شخص کا بھائی ہو وہ اُس سے معانقہ کرے (یعنی گلے ملے)

ہاتھ پاؤں چومنے کی دلیل

اگر کوئی اپنی ارادت اور محبت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومنا چاہتا تو آپ منع نہ فرماتے بلکہ اجازت دیدیتے چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۳۹۴ میں ہے

عن زراع وکان فی وفد عبد القیس قال لما قدمنا المدینۃ فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ورجلہ (رواہ ابوداود) (کتاب مذ مولانا)	زراع جو عبد القیس کے ایلچیوں کی جماعت میں تھا روایت کرتا ہے کہ ہم کو عبد القیس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جب ہم مدینہ منورہ میں پہنچے اور حضور کے قریب گئے تو جلد جلد اُتر کر آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے۔ (کتاب ابوداود)

علامہ محدث شیخ عبد الحق نے مدارج النبوت کی جلد دوم صفحہ ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے انصار کو اُن کے لیے اپنا رحمت الٰہی ہونا جتلایا۔ اور آپ کے ذریعہ اُن کو جو دینی دنیوی فائدے پہنچے تھے بیان کیے تو انھوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومے۔

مشکوٰۃ شریف کے باب الکبائر وعلامات النفاق کی فصل ثانی میں ہے۔

عن صفوان بن عسال قال قال یہودی
لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبی فقال
لصاحبہ لا تقل نبی انہ لو سمعک لکان
لہ اربع اعین فاتیا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم فسألاہ عن آیات
بینات فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم لا تشرکوا باللہ شیئ ولا تسرقوا
ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ
الا بالحق ولا تمشوا ببریٔ الی ذی سلطان
لیقتلہ ولا تسحروا ولا تاکلوا الربا ولا
تقذفوا محصنۃ ولا تولوا للفرار یوم
الزحف وعلیکم خاصۃ الیہود ان لا
تعتدوا فی السبت قال فقبلا یدیہ
ورجلیہ (رواہ الترمذی وابوداؤد ونسائی)

صفوان بن عسال سے روایت ہے کہ ایک
یہودی نے اپنے ایک دوسرے یہودی سے کہا
چل اُس نبی کے پاس چلیں اُسنے کہا نبی نہ کہہ
وہ سن پائیگا تو بہت خوش ہوگا. خیر وہ دونوں
آپ کے حضور میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ وہ دس
احکام جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے
کیا ہیں. آپ نے فرمایا ۱ خدا کیساتھ کسی کو
شریک مت بناؤ ۲ کسی کا کچھ مت چراؤ ۳
زنا نہ کرو ۴ کسی ایسے جی کو جس کا مارنا خدا کے
نزدیک حرام ہے مت مارو ۵ کسی کے مرواڈالنے
کی غرض سے کسی حاکم کے پاس اُسکی جھوٹی شکایت
مت کرو ۶ جادو ٹوٹکہ نہ کیا کرو ۷ سود مت
کھاؤ ۸ پاکدامن عورتوں کو تہمت مت لگاؤ
۹ نصرت حق کے میدان سے مت بھاگو ۱۰
خاصہ یہود یعنی ہفتہ کی تعظیم لازم رکھو. اور اس
میں زیادتی نہ کرو صفوان کہتے ہیں جب اُنھوں
نے یہ سب سن لیا تو صحیح اور حق مان کر آپکے
ہاتھ اور پاؤں چومے اسکو ترمذی ابوداؤد
اور نسائی نے روایت کیا ہے.

بزرگوں کی گوشہ نشینی

تصوف پر یہ الزام سراسر غلط ہے کہ یہ عملی قوتوں کو بیکار کر دیتا ہے۔ یہ تو ادعمل کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ جو تصوف کے امام تھے اور صوفیا میں اُن کا خاص مقام ہے وہ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو

اب اگر بعض بزرگوں نے گوشہ نشینی اختیار کی تو کسی خاص وجہ سے یا دنیا کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے اختیار کی۔ بہت سے بڑے بڑے صحابیوں نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ دیکھئے کتاب صد صحابہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی گوشہ نشینی صہ۵۵۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی گوشہ نشینی صہ۲ے حضرت سعد ابن ابی وقاص کی گوشہ نشینی صہ۹۲ حضرت عمرو بن العاص کی گوشہ نشینی صہ۱۶۳ حضرت سعید بن عاص کی خانہ نشینی صہ۲۲۵ حضرت عمران بن حصین کی گوشہ نشینی صہ۲۴۱۔ یہ ہم نے صرف ثبوت کے طور پر چند صحابیوں کے نام بحوالہ صفحہ پیش کیے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ ایسے ہیں جنھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی جن کے نام لکھنا طوالت ہے۔ پھر حضرات صوفیہ پر بلا وجہ الزام رکھنا کیا انصاف کے خلاف نہیں۔ گوشہ نشینی کے لیے یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

سلامۃ الرجل فی الفتنۃ ان یلزم بیتہ (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث صہ۱۸۲)	فتنہ کے دنوں میں آدمی کی سلامتی اسی میں ہے کہ گھر میں ہو بیٹھے۔

ایک اور حدیث شریف ہے جس میں عوام کے کام کو چھوڑنے کا تذکرہ ہے یہ ہے :-

اذا رایت الناس قد مرجت عهودھم وخفت اماناتھم وکانوا ھکذا وشبک بین انا ملہ فالزم بیتک وملک علیک لسانک وخذ ما تعرف ودع ماتنکر وعلیک بخاصۃ امر نفسک ودع عنک امر العامۃ (جامع الصغیر ط۱)	جب تو آدمیوں کو دیکھے کہ اُن کے عہد خراب ہوگئے اور اُنکی امانتیں گم ہوگئیں (پھر جناب رسول اللہ صلعم نے) دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کو ملا کر فرمایا اور لوگ اسطرح ہوگئے تو اپنے گھر میں رہنا لازم کرے (یعنی گوشہ نشینی اختیار کر) اور اپنی زبان کو روک رکھ (ضروری بات کے سوا اور بات نہ کر) دین میں جو چیز بھلی ہے اُسکو اختیار کر جو ناپسند ہے چھوڑ دے اپنی حد تک اور عوام کے کام کیطرف توجہ نہ کر۔

سیرت النبی جلد ششم کے صفحہ ۵ میں سورہ مائدہ والی آیت یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم کے معنی کے سلسلہ میں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد ایک صحابی ابو ثعلبہ کا نام آیا ہے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان سے اس آیت کے معنی پوچھے گئے تو جواب دیا کہ میں نے خود آنحضرتؐ سے اس کے معنی دریافت کیے تو فرمایا (تھا) کہ:

"نہیں بلکہ نیکی کا باہم حکم کرو اور بدی سے ایک دوسرے کو روکو لیکن جب دیکھو کہ حرص اور بخل کی اطاعت ہے اور خواہش نفسانی کی پیروی ہو اور دنیا کو دین پر ترجیح دیجا رہی ہے اور ہر ایک اپنی رائے پر آپ مغرور ہے تو اُسوقت عوام کو چھوڑ کر اپنی خبر لو۔ کہ تمھارے بعد وہ زمانہ آنے والا ہے جسمیں ثابت قدم رہنا شعلہ کو ہاتھ میں پکڑنا ہے (سیرت النبی

میں حاشیہ پر صراحت ہے کہ یہ حدیث ترمذی کے صفحہ ۹۹ ۴ میں ہے)"

اب ذرا غور فرمایئے یہ دو حدیثیں جنمیں لفظ عوام آیا ہے موجودہ زمانہ اس سے ملتا جلتا ہے یا نہیں۔ اس لیے بہر صورت بمقابلہ دوسروں کے (یعنی عوام کے) اپنے ایمان کو سنبھالنے کی ضرورت ہے۔

یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربی توحید وجودی کے قائل ہیں اور توحید وجودی کے لحاظ سے ہر ہر چیز خدا ہے اسی لیے لوگ مرشد کو خدا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت محی الدین ابن عربی کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ہر ہر چیز خدا ہے یا رب ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم خود حضرت محی الدین ابن عربی کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

العبد عبد وان ترقیٰ ۔۔۔ الرب رب وان تنزل

یعنی بندہ ترقی کے باوجود بندہ ہی ہے ۔ اور رب تنزل کے باوجود رب ہی ہے

غرض توحید وجودی کا آپ جو مطلب سمجھے ہیں بالکل غلط ہے۔ تفصیل کیلئے حضرت غوثی شاہ صاحب رح حیدرآبادی کی کتاب نور النور دیکھیے

غلاف قبر یا چادر

حضرات اولیاء اللہ کی قبر پر چادر ڈالی جاتی ہے اسپر اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کعبے پر غلاف ڈالنے کا سہرا کس کے سر ہے۔

تاریخ غلاف کعبہ کے مولف صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں کہ تاریخ جامع اللطیف کے صفحہ ۱۰۵ میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل ع نے کعبہ پر غلاف ڈالا۔ اللہ کا گھر چونکہ ایک واجب التعظیم عبادتگاہ

تھی اسلئے اُسکو غلاف سے آراستہ کیا گیا۔ اسی کتاب غلاف کعبہ کے صفحہ ۱۴ میں ہے کہ ۹ سنہ ہجری میں جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ پر یمن کے دھاریدار باریک کپڑے کا غلاف ڈالا۔ ظاہر ہے اللہ کے گھر کی عظمت کے مدنظر آرائش کی نیت سے غلاف ڈالا گیا۔ اگر پرستش کی نیت ہوتی تو اسلام اسکو ہرگز جائز نہ رکھتا۔

مولوی غلام دستگیر صاحب اپنی کتاب تاریخ مکہ معظمہ کے صفحہ ۱۳۰ میں لکھتے ہیں کہ ہجرت سے دو سو بیس سال قبل سے کعبہ پر غلاف چڑھانے کا رواج چلا آرہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود یمنی کپڑوں کے غلاف سے کعبے کو زینت دی آپ کے بعد چاروں خلفاء کا بھی یہی عمل رہا (بلکہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۱ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدائن اور کسرا کی فتح سے دو قیمتی ہلال پہنچے تھے، جو کعبہ میں زینت کیلئے لٹکا دیے گئے۔

پھر حضرت عبداللہ ابن زبیر اور عبدالملک (بن مروان) نے بھی غلاف چڑھائے اب تک یہ رسم جاری ہے اور ہر سال نیا غلاف بقرعید کی صبح کو چڑھایا جاتا ہے۔ پرانا غلاف اُتار لیتے ہیں۔ اسمیں جو غلاف زرتار کے ہوتے ہیں وہ کلید بردار (کعبے کی کنجی رکھنے والے) لے لیتے ہیں اور حاجیوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ تاریخ مکہ معظمہ ص۱۲۹ سے ظاہر ہے کہ کعبے کے غلاف پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ مدینہ منورہ مؤلفہ غلام دستگیر صاحب کے صفحہ ۱۱۹ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مبارک کی چادر پر پہلے ان اللہ وملائکہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما لکھا ہوتا ہے۔ اُس کے نیچے یہ درود شریف۔ اللھم صل علی محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

کتاب مذاہب الاسلام کے صفحہ ۶۵۸ سطر ۹ میں ہے کہ سنہ ۱۲۲۰ھ میں مکے اور مدینے میں سلطان

سعود کا قبضہ ہو گیا تھا۔ یہ عبدالوہاب نجدی کا پیرو تھا۔ اس نے مدینہ منورہ میں بڑا فساد برپا کیا تھا حجرۂ مبارک کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔

اس سلطان سعود نے چاہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار انور کی چادر اٹھالے مگر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو منع فرمایا کہ خبردار اس حرکت سے باز رہنا۔ تب اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور اپنی طرف سے مدینے کے باشندوں میں سے ایک شخص کو جس کا نام مبارک بن مضیان تھا اسکو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ غرض اس طرح سے علامہ نجم الغنی رام پوری نے حضور سرداررسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اطہر پر چادر کا ہونا تحریر کیا ہے۔

کتاب تحقیق الحق المبین فی جوابہ مسائل اربعین مولفہ شاہ سعید احمد مجددی کے صفحہ ۳۹ میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ نے اپنی قبر پر غلاف ڈالنے کو فرمایا اور اپنے جنازے کیلئے بھی غلاف ڈالنے کی وصیت فرمائی۔ ایسا ہی عمل کیا گیا اسی کے بعد لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت زید بن المکفف کی قبر پر کپڑا (غلاف) ڈالا۔

جب کعبہ پر غلاف اور حضورؐ کے مرقد منور پر غلاف ہونے کا تاریخی ثبوت موجود ہے تو اولیاء اللہ کی قبروں پر غلاف اگر ڈالا گیا تو اسمیں کیا حرج واقع ہو گیا۔ گویا اولیاء اللہ کی اسلامی شان وشوکت کے اظہار کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔ تاکہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کسی اللہ والے کا مزار ہے اور لوگ آکر فاتحہ پڑھیں۔

صاحب کتاب سبیل الرشاد (ردسیف یمانی) نے صفحہ ۵۴ و ۵۵ میں قبروں پر چادر ڈالنے کے سلسلہ میں فقہ کی کتاب شامی ظلبہ ۵ صفحہ ۲۳۹ میں یہ عبارت نقل کی ہے۔

قال فی الفتاوی الحجۃ وتکرہ الستور	فتویٰ حجۃ میں کہا ہے کہ مکروہ ہیں پردے

علی القبور ولکن نحن نقول الآن اذا قصد به التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر بل لجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات (شامی جلد ۵ صفحہ ۲۳۹)	قبروں پر لیکن ہم کہتے ہیں کہ آجکل جبکہ اس سے نظر عوام میں تعظیم مقصود ہو کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں اور حضور دل اور غافل زائروں کا ادب مقصود ہو تو جائز ہے کیونکہ اعمال کا حکم نیات کیساتھ ہے۔

سنہ ۱۷۰ھ میں ہارون رشید خلیفہ کی ماں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے پر غلاف ڈالا سلطان سلیم نے سنہ ۹۵۰ھ میں حضرت خدیجہ کی قبر پر لباس فاخرہ کا غلاف ڈالا۔ شبیر صاحب کے سفرنامہ کے صفحہ ۶۴ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار پر سبز اطلس کا غلاف ہے (کتاب وفاء الوفاء عربی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱ میں ہے کہ عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی قبر پر سبز غلاف ڈالا تھا۔ جعفر برزنجی کی کتاب نزہتہ الناظرین جو سنہ ۱۲۸۷ھ کی لکھی ہوئی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام کی قبر پر سبز غلاف تھا اور حضرت عباس کی قبر پر بھی۔

غلام الثقلین کے سفرنامہ سنہ ۱۳۲۹ھ کے صفحہ ۱۹۱ میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی قبر پر قیمتی کپڑے پڑے ہوئے ہیں۔

عُرس

عرس کے لفظ کی اصلیت کیا ہے اسکی صراحت سنیے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ اپنی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ کے صفحہ ۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرس کا لفظ اس حدیث سے لیا گیا ہے

نم کنومۃ العروس (صفحہ ۷ فیصلہ ہفت مسئلہ)	سو جس طرح دلہن سوتی ہے۔

یعنی انتقال کے بعد قبر میں یہ نیک بندے سے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے مقبولوں کیلئے موت حقیقی محبوب کا وصال ہے۔ اسی لیے ایک اور ارشاد ہے۔

الموت جسر یوصل حبیب الی الحبیب	موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

چونکہ روح کو ثواب پہنچانا نیک کام ہے (جسکا ثبوت جنازے کی نماز ہے) اس لیے اس کام یعنی عرس کیلئے خاص طور پر تاریخ یا ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے (جسکا ثبوت آگے آتا ہے) تاکہ لوگ ان بزرگوں کی تاریخ وفات پر ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اور قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچائیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ زمانہ روحانی فائدوں سے خالی نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ عرس میں اللہ والوں سے ملنا۔ اپنے پیر بھائیوں سے ملنا۔ یہ طریقہ محبت زیادہ ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ اس موقع پر دور دور سے اللہ والے آتے ہیں۔ پیر کی تلاش میں دقت نہیں ہوتی۔ جھوٹے پیروں کا یہاں کیا تذکرہ۔ ہمارے نزدیک انکی کوئی وقعت نہیں مرشد وہی ہے جو شریعت کا پہلے پابند ہو اس کے بعد ہم اُسمیں دوسرے جوہر دیکھیں گے جھوٹے پیروں کا جو اکثر لوگ بار بار اپنی تحریروں، تقریروں میں حوالہ دیتے ہیں تو ہم کب اس کے خلاف ہیں۔ مگر آپ بدگمانی چھوڑ دیجئے۔ پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں۔ آیت ہے۔
ان بعض الظن اثم بعض گمان گناہ ہیں۔

یہ ہم کو بھی معلوم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لاتتخذوا قبری عیدًا اور ایک حدیث شریف میں وثنًا بھی آیا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری قبر کو عید نہ بنانا اور دوسری حدیث میں ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنا لینا۔ تو ہم لوگ کسی قبر کو بت نہیں بناتے یعنی خدا انھیں سمجھتے۔ بلکہ قبروں کو دیکھ کر موت کو یاد کرتے ہیں۔ جب اپنی قبر سے

حضورؐ نے موت کی یاد کا حکم دیا ہے۔ اور پوجا کرنے کو منع فرمایا ہے۔ تو اولیاء اللہ کی قبروں سے تو اور بھی عبرت حاصل کر کے موت کو یاد کرنا چاہیئے۔ کہ ہم بھی ایک دن مرنیوالے ہیں۔ کسی قبر کو سجدہ حرام ہے کیونکہ خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ نہیں۔ تو ہم حنفی خوش عقیدہ لوگوں کا بفضلہ تعالیٰ اسی پر عمل ہے۔

چونکہ اسلام سے پہلے بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے تھے اسی لیے حضور نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع فرمادیا تھا جب یہ اسلامی عقیدہ دل میں جم گیا کہ خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ نہیں اور نہ کوئی عبادت کے قابل ہے تو حضورؐ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دیدی۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا (درمختار)	پہلے میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اگر اب زیارت کرو۔

اپنے اس ارشاد کو حضورؐ نے عمل سے بھی ثابت کر دیا کہ ہر سال شہیدوں کی قبروں کو زیارت کو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کان یاتی احداً کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علے القبور الشھداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (کتاب تعیین فاتحہ ص۱۲)	حضور ہر سال اُحد کے قبرستان میں) تشریف لیجاتے اور جب درۂ کوہ پر پہنچتے تو شہیدوں کی قبروں (کیطرف متوجہ ہو کر) فرماتے تمھارے صبر کی وجہ سے تم کو یہ عقبیٰ کا کتنا بہتر گھر ملا ہے تم پر سلام ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ جہاں تھے۔ وہیں سے ایصال ثواب نہیں کر سکتے تھے خاص طور پر ہر سال اُحد کے قبرستان میں جانیکی کیا ضرورت تھی۔ غور کرنیسے پتہ چلتا ہے

کہ قبرستان جا کر فاتحہ اور سلام میں زیادہ فائدہ ہے۔ اسی واسطے ہر سال زیارت کو جانا اور فاتحہ خوانی کے لیے جمع ہونا اسی کا نام عرس ہے جو معمولات مشایخ سے ہے۔

عرس میں ایک دن فجر کی نماز کے بعد لوگ قرآن شریف کے سپارے پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے عرسوں میں دس دس بیس کلام مجید ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی کے بعد ختم پڑھا جاتا ہے یعنی پہلے لا یستوی اصحاب النار پڑھتے ہیں۔ اگر قاری یا حافظ صاحبان زیادہ ہوں تو قرآن شریف کی اور بھی بڑی بڑی سورتیں پڑھی جاتی ہیں ورنہ لا یستوی کے بعد قل یا۔ پھر قل ھو اللہ۔ پھر قل اعوذ برب الفلق۔ پھر قل اعوذ برب الناس پھر الحمد اسکے بعد الف لام میم اسکے بعد ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین و ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ ما کان محمد پھر ان اللہ وملئکتہ اسکے بعد درود تاج یا کوئی اور چھوٹا درود شریف پھر سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون آخر سورہ تک اسکے بعد بآواز بلند فاتحہ کہہ کر فاتحے کے خاتمہ کا اعلان کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے کہ اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ اور آل اطہار، صحابہ کبار، تابعین، تبع تابعین اولیاء اللہ (نام لے لے کر) سبکی خدمات میں ہدیہ پیش کر کے صاحب مزار کو ثواب کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ پھر تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد مہمانوں اور حاضرین وغیرہ کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہ اس حدیث کے تحت ہے

ان من موجبات المغفرت اطعام المسلم (بیہقی و تجرید الاحادیث صفحہ ۸۸)	مسلمانوں کو کھانا کھلانا مغفرت کے موجبات سے ہے (یعنی اسباب مغفرت سے ہے)

بعض مقامات پر دستور ہے کہ مقامی حضرات معتقدین وغیرہ کے گھر پر بھی کھانا بھیجا جاتا ہے تاکہ اس تبرک سے دوسرے لوگ بھی محروم نہ رہیں۔

بعض بعض عرسوں میں رات کے ۲ بجے سے فجر کی اذان ہونے سے پہلے تک دیکھا گیا ہے

کوئی اللہ ھو کی صدا لگا رہا ہے تو کوئی الا اللہ کی ضربیں لگا لگا کر دل کو صاف کر رہا ہے۔ کوئی تہجد کی نماز کی تیاری کر رہا ہے۔ غرض عجیب ذوق و کیف و بیخودی کا عالم ہے۔ کوئی بزرگ اصلاح کے لیے اللہ رسول کی باتیں کر رہے۔ نصیحت فرما رہے اور بزرگوں کے واقعات تعلیم و تلقین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ جس سے خاص و عام سب خوش ہو رہے ہیں۔ اور جس بات سے مسلمان خوش ہوں اُس میں بخشش ہے (حدیث)

ان من موجبات المغفرۃ ادخال السرور علی المسلم (طبرانی و تجرید ص)	بخشش کے اسباب سے یہ ہے کہ مسلمان کو خوش کیا جائے۔

اب بھی کیا خدا نہ بخشے گا۔ ضرور بخشے گا۔ عرس میں ہم لوگ اللہ و رسول کی محبت کے لیے آپس میں ملکر خوش ہوتے ہیں۔ (حدیث)

عن ابی ھریرۃ فی حدیث سبعۃ یظلھم اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علی ذالک وتفرقا علیہ اخرجہ السنہ الا ابا داود (تکشف ۲۷)	ابو ہریرہ سے اس حدیث میں جسمیں سات آدمیوں کا ذکر ہے جنکو حق تعالی قیامت میں عرش کا سایہ دیویگا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ انہیں سے وہ دو شخص بھی ہیں جن میں محض اللہ کے لیے باہم محبت ہے۔ اسی کو لئے ہوئے ملتے ہیں اسی کو لیے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔

بعض جگہ عرسوں میں قوالی ہوتی ہے۔ بعض جگہ ختم خواجگان ہوتا ہے۔ غرض ایسے ہی کام ہوتے ہیں جن سے اللہ و رسول کیطرف دل متوجہ ہو۔

عرس میں طوائفوں ڈومنیوں وغیرہ کو شریک ہونے کا موقع دینا گویا بزرگوں کو

بدنام کرنا ہے۔ اسی سے وہابیوں اور بدعقیدہ لوگوں کو اعتراض کا موقع ملجاتا ہے غیر فاحشہ یا فاحشہ یا شریف گھرانے کی کسی قسم کی عورتوں کو قبرستان نہ جانا چاہئے شرع شریف کے موافق پردے میں رہنا چاہیئے۔

بعض عرسوں میں صندل مالی کی رسم ہوتی ہے لیکن صندل مالی سے پہلے صندل کا جلوس نکالا جاتا ہے اور ایسے وقت نکالا جاتا ہے کہ صندل لیجانے والے اور جلوس میں شریک رہنے والے عصر اور مغرب کی نماز ہی غائب کر دیتے ہیں۔ خدا کے فرض کو ادا نہیں کرتے کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ جن کے مزار کا صندل ہے کیا انکی روح اس بات سے خوش ہوگی۔ ہرگز نہیں اگر جلوس نکالنا ہی ضروری ہے تو ایسے وقت نکالنا چاہئے کہ کسی نماز کا وقت نہ ہو۔ چنانچہ محلہ موتی کارنجہ اورنگ آباد کے لوگ معین اللہ شاہ کا صندل مغرب کی نماز کے بعد نکالتے ہیں۔

یہاں اورنگ آباد میں ۱۲ ذی الحجہ کو حضرت بڑے پیر صاحب کا نشان جلوس سے نکالا جاتا ہے۔ یہ بھی ایسے وقت ہوتا ہے کہ عصر و مغرب کی نمازوں کا وقت ہوتا ہے جلوس والوں کو چاہیئے کہ جلوس کو روک کر نمازیں پڑھ لیا کریں اور خدا کا فرض ادا نہ ہونے سے ڈریں یا جلوس کا وقت ہی بدلدیں۔ اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض تو بالکل صحیح ہے۔

کسی بزرگ کا یہ حکم نہیں کہ میری قبر پر میلہ لگے نہ یہ حکم ہے کہ رنڈیوں کا ناچ گانا ہو۔ یہ سب جاہلوں کی حرکتیں ہیں۔ عام لوگوں نے تجارتی منفعت کیلئے دوکانوں کا قیام لازمی قرار دے لیا ہے اس سے زیادہ اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

عرس میں گانا

عرس میں اکثر جگہ گانا بھی ہوتا ہے "قرآن اور حدیث کی روشنی میں سماع کی حقیقت" یہ کتاب ہم اس کے متعلق علیحدہ لکھ چکے ہیں۔ اس میں خود آنحضرتؐ کا گانا سننا صحابہ کا گانا سننا۔ چاروں اماموں کا گانا سننا ہم نے تفصیل سے ثابت کیا ہے یہاں مختصر طور پر کچھ واقعات لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ کتاب اُسوۂ صحابہ کے صفحہ (۲۵۰) میں ہے کہ عید کے دن معمولاً چھوٹے چھوٹے رسولؐ اللہ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے اور مسرت کے ترانے گاتے تھے (بخاری کتاب العیدین)

۲۔ کتاب اُسوۂ صحابہ مرتبہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے صفحہ (۲۵۰) میں ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حج کو جا رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت خوات انصاری بھی ساتھ تھے۔ خوات انصاری شاعر بھی تھے اور گانا بھی جانتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ ضرار شاعر کے اشعار گاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ خود اپنے اشعار کیوں نہ گائیں۔ غرض حضرت عمر کے فرمانے کے مطابق یہ اپنی غزلیں گا گا کر سناتے رہے۔ جب صبح ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے کہا بس اب رہنے دو اس طرح یہ قوالی کی مجلس ختم ہوئی۔

۳۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک دفعہ عید کے دن قیس بن سعد صحابی نے بچوں کو گاتے بجاتے نہیں دیکھا تو کہا کہ حضورؐ کے زمانے کی سب چیزیں ہیں مگر عید کا دن ہے پھر بچوں کو گاتے بجاتے کیوں نہیں دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے۔ عیاض بن اشعری نے بھی یہی کہا کہ بچو آنحضرتؐ کے سامنے جس طرح تم لوگ گاتے بجاتے تھے اب کیوں نہیں گاتے بجاتے (اُسوۂ صحابہ صفحہ ۲۵۰)

۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی لکھی ہوئی سیرت النبی جلد ششم کے صفحہ ۶۰۰

میں ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضؓ نے ایک انصاری سے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح کر کے اس کو رخصت کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ تم لوگوں کے ساتھ گیت نہ تھا کیونکہ انصار کو گیت پسند ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کے ساتھ ایک لونڈی کیوں نہیں بھیجی جو دف بجاتی اور گاتی جاتی (بخاری کتاب النکاح)

۵۔ آپ کسی لڑائی سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح وسالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کے گیت گاؤنگی۔ آپ نے فرمایا اپنی نذر پوری کر۔ (اسوہ صحابہ صفحہ ۱۶۹ و احقاق السماع صفحہ ۱۲ و کتاب الترمذی) اللہ

نوٹ علی بھائی شرف علی کے یہاں کی چھپی ہوئی ایک کتاب گلدستہ عزیز ہے اسمیں جا بجا گانے کی ممانعت لکھی ہے اور ڈھول کی بھی ممانعت اور برائی درج ہے۔ ذرا غور کیجئے اور عقل سے کام لیجئے یعنی دف اور ڈھول دونوں کھال اور لکڑی کی چیز ہیں میں صرف چھوٹے اور بڑے کا فرق ہے جب دف جائز ہوئی تو ڈھول بھی جائز ہوا کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح نسل انسانی کے آلے میں کچھ قدرت نہیں نہ برائی بلکہ آپ کے استعمال پر حلال حرام کا دارومدار ہے اسی طرح گانے بجانے کے آلات میں خود کچھ نہیں بلکہ آپ کے استعمال پر ہے حرام کام کے لئے استعمال ہوں تو حرام حلال کام کیلئے استعمال ہوں تو حلال ہیں۔ اب رہا گانا تو اسکو ہم حدیثوں سے ثابت کر چکے۔ اسی کتاب میں حضرت امام حسین عؑ کی بسم اللہ کا تذکرہ ہے مگر کسی کتاب کا حوالہ درج نہیں لہٰذا قابل اعتبار نہیں۔ ایک جگہ سہرے کو ناجائز لکھا ہے حالانکہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب سے علم الاعراس کی صفحے میں پھولوں کی وجہ سے اسکو جائز لکھا ہے۔ روپیہ پیسہ ہونے کی وجہ سے ختنے اور نکاح کی تقریبیں نہ کرنا اور عمر بڑی ہو جانا یہ باتیں بالکل صحیح لکھی ہیں ایسی فضول خرچیاں حدیثوں کے خلاف ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے خیر الامور اوسطہا ہر کام میں درمیانی حالت بہتر ہے۔ درد

سیرت النبی جلد ششم کے صفحہ ۶۰۲ میں مولانا سید سلیمان ندوی نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ فطری تقاضہ یہ ہے کہ قوم کی زندگی میں سال میں دو ایک موقع ایسے ہونے چاہئیں جبمیں لوگ کھل کر خوشی کر سکیں چنانچہ نمبر ۵ والی حدیث سے ظاہر ہے کہ خوشی کے موقع پر گانا جائز ہے اب میری عرض ہے کہ عرس بھی خوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اللہ والوں کے وصال کا دن ہے (یا تاریخ ہے) اس سے بڑھ کر اور خوشی کا موقع کیا ہوگا۔

بزرگوں کے مزاروں پر خوشبو

یا بوقت فاتحہ خوشبو

کے متعلق جو حدیثیں ہم کو ملی ہیں اُن کو ہم یہاں لکھتے ہیں اس سے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائیگا

كان لا يرد الطيب (مسند امام احمد و تجرید صفحہ ۲۶)	رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوشبو کو واپس نہیں کیا کرتے تھے۔
وكان يعجبه الريح الطيبة (ابن ماجہ و تجرید الاحادیث صفحہ ۲۰۲)	رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو پسند تھی۔
كان ابن عمرؓ اذا استجمر - استجمر بالوة غير مطراة وبكافور يطرحه مع الالوة قال هكذا كان يستجمر رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه مسلم (دافع الاوہام صفحہ ۱۱)	ابن عمرؓ خوشبو کی دھونی لیتے تھے تو کوئی چیز ملائے بغیر خالص اگر کی دھونی لیتے تھے اور کبھی اگر کے ساتھ کافور بھی ڈالتے فرماتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسیطرح خوشبو کی دھونی لیا کرتے تھے۔

ان اللّٰہ خلق الورد من بہائہٖ (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث صفحہ ۱۰)	اللہ نے گلاب کو اپنی خوبصورتی سے پیدا کیا ہے۔
من اراد ان یشم رائحتی فلیشم الورد الاحمر (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث صفحہ ۳۱۶)	جو میری خوشبو لینی چاہے وہ سرخ گلاب کی خوشبو لے۔

اسی وجہ سے بزرگوں کے مزاروں پر سرخ گلاب کے پھول بھی ڈالے جاتے ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو اس کا قرآن شریف سے ثبوت ہے۔

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (پندرھواں پارہ سبحان الذی)	کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و حمد نہ کرتی ہو لیکن ان کی تسبیح اسکی حمد کو تم سمجھ نہیں سکتے۔

اسی وجہ سے دوسرے پھول بھی ڈالے جاتے ہیں تاکہ قبر والوں کیلئے وہ خدا سے مغفرت مانگتے رہیں۔ پھول تو پھول ہری شاخ کو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغفرت کے لیے قبر پر ڈالا ہے۔

ثم اخذ جریدۃ رطبۃ بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲)	پھر آپ نے دو ہری شاخیں لیں اور اُن کو آدھا آدھا کر کے ایک ایک شاخ دونوں قبروں پر ڈالدی۔

صحابہ نے اسکی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا تھا ہر کیلئے ہری شاخیں میں نے اس لئے ڈالدیں کہ یہ جبتک ہری رہینگی اللہ کی حمد کرینگی اور اللہ کی حمد کی برکت سے عذاب میں کمی ہو جائے گی (اہلاک الوہابین صفحات ۲۷ و ۲۸) ایک اور حدیث ہے۔

الریح من روح اللہ (مسند امام احمد حنبل وتجرید الاحادیث صفحہ ۱۷۴)	خوشبو اللہ کی روح اور راحت میں سے ہے۔

مزارات کا بوسہ

شرع شریف نے ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے کہ اُنھوں نے پالا، پرورش کیا۔ کھلایا پلایا۔ اگر غور کیا جائے تو مرشد یا اللہ کا ولی جو اپنے مرید کا روحانی باپ ہوتا ہے اس لیے کہ اُس کے ذمہ اُس کی روحانی پرورش ہوتی ہے۔ غیبی مدد اور اُسکی وجہ سے رزق بھی ملتا ہے۔ حدیث شریف ہے۔

عن سعد ابن ابی وقاص ھل تنصرون وترزقون الابضعفاء کم (بخاری و کتاب الامن والعلا صفحہ ۲۲)	تمہیں اپنے بزرگوں کی وجہ سے مدد ملتی ہے اور رزق ملتا ہے۔

اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو (جن صاحب کو اور حدیثوں کی ضرورت ہو اسی کتاب کو دیکھیں)

من استغفر للمومنین والمومنات کل یوم سبعا وعشرین مرۃ کان من الذین یستجاب لھم ویرزق بھم اھل الارض (طبرانی وکتاب الامن والعلا صفحہ ۲۳)	جو ہر روز ۲۷ مرتبہ سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے استغفار کرے وہ اُن لوگوں میں سے جنکی دعا قبول ہوتی ہے اُنکی برکت سے تمام اہل زمین کو رزق ملتا ہے۔

لے مطالب المومنین میں لکھا ہے کہ اپنے والد کی قبر چومنے میں کوئی حرج نہیں (صفحہ ۳۸ کتاب مسائل اربعین) فتاوی عالمگیری میں ہے لاباس بتقبیل قبور والدیہ یعنی والدین کی قبر کا بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں رسالہ فاتحہ صفحہ ۲۴۔

جب ان حدیثوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہم کو ان بزرگوں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی وجہ سے ہماری پرورش ہوتی ہے مدد ہوتی ہے تو اس لحاظ سے یہ بزرگ ہمارے روحانی باپ ہوئے۔ جب یہ روحانی باپ ہوئے تو جسمانی ماں باپ کی قبر کی طرح ان کی قبر کو بھی بوسہ دینا خود بخود ثابت ہو گیا۔

کتاب ابلاک الوہابیین کے صفحہ ۳۵ اور مصباح طریقت کے صفحہ ۲۱ میں ہے کہ حضرت ابودرداء رض سے روایت ہے کہ حضرت بلال رض ملک شام میں تھے۔ خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ کیا ظلم ہے کہ تم میرے پاس نہیں آتے۔ جاگتے ہی مدینہ شریف چل کھڑے ہوئے پھر آنحضرت صلعم کی قبر مبارک پر اپنا منہ مل مل کر خوب روئے۔ منہ کا قبر پر ملنا بوسہ لینے سے بھی زیادہ ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے سیدھے ہاتھ کو حضور صلعم کی قبر شریف پر رکھ کر چوما کرتے تھے۔ امام رملی رح نے فتویٰ دیا ہے کہ برکت کے ارادے سے اولیاء اللہ کی چوکھٹ کو بوسہ دینا بلا کسی کراہت کے جائز ہے حضرت سعدی رح مولف گلستان فرماتے ہیں۔

اگر بوسہ بر خاک مرداں زنی
بمردی کہ پیش آیدت روشنی

یعنی اگر تو مردان خدا کی قبر کا بوسہ لے تو جوانمردی کی قسم تجھ کو نور باطن حاصل ہوگا۔

کتاب اسوۂ صحابہ مولفہ عبد السلام ندوی کے صفحہ ۷۷ امیں ہے "کہ ایک بار حضرت ایوب انصاری آئے اور (آنحضرت صلعم کے) مزار پاک سے لپٹ گئے۔ مروان (حاکم وقت) نے انکی گردن پکڑ کر کہا یہ کیا کرتے ہو۔ بولے میں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں" مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۲۲)

حضرت شاہ تراب علی قلندر نے اپنی کتاب شرائط الوسائط میں زیارت قبور کے آداب لکھے ہیں اسمیں یہ بھی ہے کہ سرہانے سے زیارت نہ کرے نہ چومے یہ بے ادبی ہے اِدھر اُدھر بازو یا پائنتی سے بوسہ دیا جا سکتا ہے۔

قبروں کا مٹانا

کتاب تلقین حق کے صفحہ ۵ میں بحوالہ مسلم شریف لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھا ہے۔ مجھے رسول خدا نے حکم دیا تھا ان لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبراً مشرفاً الا سویتہ یعنی جو تصویر پاؤ یا جو بلند قبر دیکھو اُسے مٹا دو۔ لیکن نگاہ فہم ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مسلمانوں کے قبریں نابید کر دی جائیں۔

(قبروں کے مٹانے کا حکم) دراصل فقط یہودیوں اور مشرکوں کی قبروں سے متعلق تھا۔ اگر مسلمانوں کی قبروں کے متعلق یہ حکم ہوتا تو حضرت علیؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ ابن مظعون کی قبر کو اُکھاڑ پھینکتے۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ نمایاں قبر یہی تھی۔ یہ وہ قبر تھی کہ حضور سرکار دو عالم نے خود اپنے ہاتھ سے نشانی کے لیے اس پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا تھا اس قبر کی بلندی کا یہ حال تھا کہ لوگوں میں وہی شخص سب سے زیادہ جوانمرد سمجھا جاتا تھا جو اس قبر کو پھاند جائے۔ (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۸۹ او مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز)

تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین ہی کے وقت میں شام فتح ہوا۔ عراق

پر قبضہ ہوا اور دوسرے ملک فتح ہوئے ان مقامات میں سیکڑوں انبیاء و مرسلین اور صالحین کی قبریں موجود تھیں لیکن کسی صحابی نے ان کو مٹانے یا کھودوا لینے کا حکم نہ دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں اور مشرکوں کی قبریں مٹانے کا حکم تھا۔

قبر کے ارد گرد عمارت بنانا

کتاب تلقین حق کے صفحہ ۱۱ میں ہے لا یبنی علیہ ولا یقعد علیہ یعنی "قبروں پر عمارت نہ بنائی جائے اور نہ اُس پر نشست اختیار کی جائے" اس کا اصل مطلب یہی ہے کہ نفس قبر پر کوئی عمارت نہ بنائی جائے یعنی قبر کو اتنا اونچا نہ بنایا جائے جیسے انگریزوں کی قبریں ہوتی ہیں جنھیں لاٹ کہتے ہیں اسی طرح لا یقعد کے یہ معنی ہیں کہ نفس قبر پر بیٹھنا نہ چاہیئے۔ قبر پر بیٹھنے یا تکیہ لگانے کی ممانعت ہے۔ دو حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ امام احمد بسند حسن عمارہ بن حزم سے راوی ہیں کہ حضورؐ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا

لا تؤذ صاحب ھذا القبر کتاب حیات الموات ص۳۳	اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔
یا صاحب القبر انزل من القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیک	او قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اُتر آ تو صاحب قبر کو تکلیف نہ دے اور نہ وہ تجھے

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر والے کو کچھ نہ کچھ اختیار دیا گیا ہے۔ تاہم یہ سب

تعظیم کیلئے ہے تاکہ بے ادبی نہ ہو۔ غرض قبہ اور گنبد کے متعلق کوئی ممانعت پائی نہیں جاتی۔ سب ممانعتوں کی اصلیت یہی ہے کہ اس کو معبد (عبادت گاہ) نہ بنالیا جائے تو ہم حنفی اہل سنت والجماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مزار کے گنبد کو عبادت خانہ سمجھتا ہو۔

صحابہ کے زمانہ میں قبہ جات اور اُنکی تعمیر

کتاب مصباح طریقت صفحہ۱۴۱ میں عینی شرح بخاری شریف کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ آگے آتا ہے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گنبد یا قبے بنانے کی غرض کیا ہے۔ گنبد یا قبے اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ زیارت کرنے والے اندر بیٹھ کر قبر والے صاحب کے لیے کلام مجید پڑھیں یعنی فاتحہ دیں اور اس طرح دھوپ اور بارش سے بچے رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی فاتحہ خوانی کے لیے گئیں تو اُنھوں نے اِن کی قبر پر خیمہ نصب کرایا۔

اب **قبوں کا حال سنئے**:(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش (مسلمانوں کی ماں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی قبر پر قبہ بنوایا (۲) حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ بنوایا (۳) حضرت محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضؓ کی قبر پر قبہ بنوایا (۴) حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی (فاطمہ) نے اپنے شوہر حسن بن حسن کی قبر پر قبہ بنوایا۔ اگر شرع شریف کے لحاظ سے یہ کام ناجائز ہوتا تو حضرت عمر رضؓ وغیرہ یہ کام کیوں کرتے (مصباح طریقت صفحہ۱۴)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ مبارک والے حجرے کی تعمیر

جذب القلوب کے صفحہ ۱۱۴ سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی گھر میں کھجوروں کی شاخوں کا بنا ہوا ایک حجرہ تھا اسی میں آنحضرتؐ دفن کیے گئے تھے۔ جب قبر شریف کی خاک پاک اٹھانے کے لئے بیدھڑک لوگ جانے لگے تو حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے رہنے کی جگہ اور حضور کی قبر شریف کے بیچ میں ایک دیوار اٹھوا دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب مسجد نبوی کو بڑھایا تو حضورؐ کے مزار مبارک والے حجرے کو جو کھجور کا بنا ہوا تھا اُس کو کچی اینٹوں کا بنوا دیا۔ ولید بن عبد الملک بادشاہ کے زمانہ تک یہ اسی حالت پر رہا۔ ولید بادشاہ نے اپنے زمانہ ۸۸ھ ہجری میں جب حضرت عمر بن عبد العزیز کو مدینے کا حاکم مقرر کیا تو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف والا حجرہ پختہ بنوا دو۔ حضرت مولانا ضیاء القادری نے اپنے مضمون میں بھی ۸۸ھ میں حجرہ مبارک کا تعمیر ہونا لکھا ہے دیکھئے رسالہ اسرار التصوف نومبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۳۲۔

حضورؐ کے مزار کے چاروں طرف چار دیواری و سبز گنبد کی تعمیر

حضرت عمر بن عبد العزیز نے شاہی حکم کے مطابق حجرہ شریفہ کی بنیاد و عمارت کو اور وسیع کر دیا یعنی منقش اور کاٹے ہوئے پتھروں کی چار دیواری بنا کے اُس کے گرد ایک اور احاطہ کھینچ دیا۔ ان دونوں چار دیواریوں میں کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا۔ ۹۱ھ میں یہ تعمیر ختم ہوئی تھی ۵۵۰ھ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے حجرہ شریف کے گرد صندل کا کٹہرہ لگا دیا۔ ابن ابی الہیجا وزیر خدیو مصر نے ایک غلاف دیبائے سفید کا

(جسپر سرخ ریشمی پھول اور سورہ یاسین سنہرے حرفوں میں بنی ہوئی تھی) حجرہ شریف پر چڑھایا۔ یہ عباسی خلیفہ (بادشاہ) مستکفی باللہ کے جلوس تخت نشینی کے دن چڑھایا گیا تھا اس کے بعد یہ رسم ہوگئی کہ جب کوئی عباسی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو حجرہ مبارک کے لیے قیمتی زریں غلاف بنوا کر بھیجتا۔

۶۵۴ھ میں مسجد نبوی اتفاقاً آگ سے جل گئی مگر اندرونی حصہ جو عمر عبدالعزیز نے بنوایا تھا محفوظ رہا، پھر ۸۸۶ھ میں بجلی گرنے سے مسجد بالکل منہدم ہوگئی۔ مگر حجرہ مبارک محفوظ رہا۔

۶۷۸ھ میں قلاون صالحی نے قبہ خضرا یعنی سبز گنبد مسجد کی چھت سے اونچا حجرہ مبارک پر بنوایا۔ اور حاطے کے اردگرد برنجی جالیاں بنوادیں (دیکھو تاریخ مدینہ منورہ صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱)

روشنی اور طواف

کسی بزرگ کے مزار پر دو باتوں کی وجہ سے روشنی کیجاتی ہے (۱) ایک تو یہ کہ جو لوگ صاحب مزار کیواسطے قرآن شریف پڑھنا چاہیں وہ اس روشنی میں کلام اللہ پڑھ کر ثواب پہنچا سکیں (۲)، دوسرے یہ کہ عام لوگ دور سے روشنی دیکھ کر یہ سمجھ جائیں کہ یہ کسی اللہ والے کا مزار ہے۔

کتاب مصباح طریقت کے صفحہ ۱۲ میں۔ کتاب شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۴۲۹ کا حوالہ مع عربی عبارت درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"چراغوں کا قبروں کے پاس ہونا اس وقت مال ضائع کرنے میں شمار کیا جاسکتا ہے کہ کسی فائدے سے خالی ہو جب قبروں کے پاس مسجد ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی اللہ کی قبر ہو تو جائز ہے۔
تاکہ لوگ اس روشنی میں اس بزرگ سے برکت حاصل کریں کیونکہ انما الاعمال بالنیات (یعنی) عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے"
جس سرزمین میں مسلمان کم اور غیر مسلم زیادہ ہوں وہاں اسلامی شان و شوکت اور اولیاء اللہ کی تعظیم و تکریم شعائر اللہ میں ہے۔ قرآن شریف کی آیت ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (یعنی) جو اللہ کی نام لگی چیزوں کی (عزت) عظمت کرے وہ (دل) پرہیزگار دلوں سے ہے۔ لہذا جب روشنی بھی اللہ والوں کی عزت ہی کے لئے کیجاتی ہے تو پھر اس کے جائز ہونے میں کیا شبہہ رہا؟

جس وقت انبیاء اور اولیاء اللہ کے مزارات پر روشنی جگمگاتی ہے تو اس وقت قرآن شریف کی یہ آیت یاد آجاتی ہے واشرقت الارض بنور ربھا (یعنی) زمین کا ٹکڑا اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھا۔

اب رہا طواف! تو اسمیں بھی تعظیم کی نیت ہوتی ہے اسی کتاب مصباح طریقت کے صفحہ ۲۱ میں ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں لکھتے ہیں۔ چوں بمقبرہ درآید دوگانہ بروح آں بزرگوار ادا کند الی ان قال بعدہ ہفت کرت طواف کند الی آخر ما قال (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ) جب کسی بزرگ کے مقبرے کے اندر جانا ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان بزرگ کی روح

کو ثواب پہنچائے اس کے بعد سات مرتبہ طواف کرے۔

کتاب سبیل الرشاد (ردسیف یمانی) کے صفحہ ۶۶ کے حاشیہ میں شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عبارت بحوالہ حفظ الایمان اس طرح لکھی ہے۔

"و بعدہٗ ہفت کرت طواف کند و دراں تکبیر بخواند و آغاز از راست کند بعدہٗ طرف پایاں رخسارہ نہد (ترجمہ) اس کے بعد سات بار طواف کرے اور اسمیں تکبیر کہے اور سیدھی طرف سے شروع کرے اس کے بعد دوسری طرف پھر رخسارہ رکھ دے۔"

اس عبارت کے بعد سبیل الرشاد کے مؤلف لکھتے ہیں۔ جناب مولوی اشرف علی صاحب اس کے متعلق اپنا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا خیال ظاہر کر رہے ہیں (دیکھو۔ غور کرو)

"مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد۔ سو اس میں کچھ حجت نہیں۔ کیونکہ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو تعظیم و تقرب کے لئے نہیں ہے اور جسکی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ یہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس (قبر) کے گرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت روحی کے صاحب قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے بلا قصد تعظیم و تقرب کے اور وہ بھی عوام کیلئے نہیں جن کو فرق مراتب کی تمیز نہیں بلکہ اہل نسبت کیلئے جو جامع ہوں درمیان شریعت و طریقت کے۔"

اس کے بعد صاحب سبیل الرشاد نے لکھا ہے کہ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر خاص لوگ بہ نیت حصول فیض و اخذ مناسبت روحی قبر کے گرد پھریں تو جائز ہے۔

اسمیں اولیاء سے مدد حاصل کرنا بھی آگیا۔ کیونکہ فیض لینا مدد حاصل کرنا ہی ہے۔

اب ہماری دلیل سنیئے! اگرچہ مولوی اشرف علی صاحب نے تعظیم کی ممانعت کا تذکرہ کیا ہے لیکن صفا۔ مروہ۔ یہ دو پہاڑی مقام ہیں جن کے طواف کرنے کا شرعی حکم ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں کافروں کے بتخانے تھے (دیکھئے مصباح طریقت صفحہ ۱) مگر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے قیام کی وجہ سے خدا نے ان کو شعائر اللہ (یعنی اللہ کی نشانیاں) فرمایا۔ اسی لیے قرآن شریف میں ہے ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ

اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے وہ پرہیزگار دل والا ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ تو جب صفا مروہ بتخانے والے پہاڑ اللہ کی نشانیاں بن جائیں تو اللہ والوں کے مزارات جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اللہ کی نشانی کیوں نہ ہوئے اور جب اللہ کی نشانی ہوئے تو تعظیم بھی مذکورالصدر آیت کے لحاظ سے نصوص شرعیہ میں آگئی۔

اللہ ہی نفع اور نقصان دیتا ہے

ہر مسلمان کا یہی اصلی عقیدہ ہے اور ہونا ضروری ہے۔ لاکھ نفع عارضی سہی۔ نقصان عارضی سہی۔ مگر دن رات اسی ماحول کا نتیجہ ہیں۔ یہ دنیا خود تو عارضی ہے تو اس کا نفع نقصان بھی عارضی ہے۔ لیکن اس عارضی ہونے پر بھی یہ صدشئیں قابل غور ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه (صحیح مسلم دکتاب حیات الموات صفحہ ۱۵)	تم میں جو اپنے بھائی (مسلمان) کو نفع دے سکے نفع دے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) یہ معلوم نہ تھا کہ خدا ہی نفع ضرر دیتا ہے۔ پھر یہ حدیث کیوں ارشاد فرمائی گئی۔ اب رہا (ضرر) نقصان اسکے متعلق یہ حدیث ملاحظ ہو۔

من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شق اللہ علیہ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ دکتاب حیات الموات صفحہ ۱۵)	جو کسی کو ضرر دے گا اللہ اُس کو نقصان پہنچائے گا اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ اُسے شقت میں ڈالیگا۔

اگر نفع نقصان کو صرف خدا کی ذات کے لیے مخصوص اور محدود کردیا جائے تو پھر شریعت کے تمام احکام اپنی جگہ بے معنی ہوجائیں گے۔ کافروں نے آنحضرت ص کو ستایا بہت نقصان پہنچایا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے ستایا اور نقصان پہنچایا (استغفراللہ) اللہ ہی نفع نقصان پہنچاتا ہے کسی میں طاقت نہیں یہ ہر موقع پر کہدینا بے محل اور بے موقع ہے۔ حضرت سعدیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ٭ کہ جاہا سپر باید انداختن۔ ایک اور حدیث سنئے:

ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر (مسند امام احمد دکتاب دافع البلا صفحہ ۲۶)	مجھے کبھی کسی مال نے نفع نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے نفع دیا۔

قرآن شریف کے نویں پارے کی آیت نفعًا ولا ضرًا کے خلاف کیا یہ حدیث کہی جا سکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ہر بات اور ہر معاملے میں یہ کہدینا کہ خدا کے سوا کوئی نفع نقصان پہنچا ہی نہیں سکتا قابل غور ہے۔

یہ تو انسانوں کا تذکرہ تھا۔ اب معدنی چیزوں کے نفع پہونچانے کے متعلق دو حدیثیں سنئے:۔

تختموا بالزمرد فانہ ینفی الفقر فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث ص ۱۲۶	زمرد کی انگوٹھی پہنا کرو۔ یہ فقیری (یعنی محتاجی) کو ہٹاتی ہے۔
تختموا بالعقیق فانہ ینفی الفقر (کتاب ابن عدی و تجرید الاحادیث صفحہ ۱۲۶)	عقیق کی انگوٹھی پہنو کہ وہ فقیری کو دفع کرتی ہے۔

اس کے سوا خود خدا نے قرآن شریف میں شراب کے نفع کا ذکر کیا ہے منہا منافع کثیرہ جانوروں سے نفع پہنچنے کے متعلق یہ آیت ہے لھم فیہا منافع و مشارب جب خدا خود غیر خدا سے نفع حاصل کرنے اور نفع پہنچنے کا حال بیان فرمائے تو ہماری تائید میں کیا امر مانع رہا؟ اس پر بھی اگر غیر خدا کے نفع پہنچانے سے انکار کیا جائے تو گویا رسول کے ارشاد کو جھٹلانا ہے۔ جب خدا نے انسانوں میں حیوانوں میں معدنی چیزوں میں نفع اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھی ہے۔ تو اس سے انکار کرنا گویا خدا کی نعمتوں سے انکار کرنا ہوا۔

نفع نقصان عارضی سہی۔ مگر نفع نقصان کے واقعات کا پیش آتے رہنا اسی کا نام دنیا اور اسی کا نام عالم اسباب ہے۔ اسی کے لیے رسول آئے اسی کے لیے شریعت بنی کہ ہم نفع نقصان پہنچانے والی طاقتوں کو صحیح استعمال کریں یعنی اعتدال رکھیں نفع زیادہ پہنچایا تو فضول خرچی ہو جائے گی۔ نقصان زیادہ پہنچایا تو ظلم کہا جائے گا غرض یہ دنیا ہے یہاں رہ کر یہ کہنا ہی پڑے گا کہ فلاں دوا نے فائدہ دیا۔ فلاں دوا نے نقصان پہنچایا۔ اگر نفع نقصان کا بیان کرنا جائز نہ ہوتا تو حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اسکے متعلق حدیثیں کیوں فرماتے جو ہم نے اوپر لکھی ہیں۔

رحم

رحم کا بھی یہی حال ہے۔ اگر کسی نے کہا رحم کرو تو اس کو شرک کہا جاتا ہے حالانکہ خود خدا نے انسان کو رحم کرنے کی صفت دی ہے اگر یہ بات نہیں تو اُس نے اپنا نام ارحم الراحمین (سب سے زیادہ رحم کرنے والا) کیوں رکھا ہے۔ اس نام سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں دوسرے رحم کرنے والے بھی ہیں۔ حدیث سنئے:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس (صحیح مسلم و تجرید الاحادیث صفحہ ۲۴۴)	اللہ اُس پر رحم نہیں کرتا، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

اس حدیث سے بندوں کا رحم کرنا ثابت ہے۔ پھر اگر کوئی انسان کسی انسان سے رحم کی درخواست کرے تو ہرگز شرک نہیں۔ اسی کو حضرت حالی نے اس طرح نظم کیا ہے

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر ۔۔۔ نہ ہو درد کی چوٹ جسکے جگر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر ۔۔۔ خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ان اللہ رحیم یحب الرحیم یضع رحمتہ علی کل رحیم (طبری۔ تجرید الاحادیث ۶۶)	اللہ رحیم ہے۔ رحیم کو پسند کرتا ہے۔ ہر رحیم پر اپنی رحمت رکھتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ یعنی ایک ذرہ بھی اللہ کے حکم کے بغیر حرکت میں نہیں آتا۔ یہ قول اپنی جگہ اپنے مقام پر ٹھیک سہی لیکن کہنے والوں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ عربی فقرہ نہ کوئی آیت ہے نہ کوئی حدیث۔ کسی کے قول کو ہم قرآن یا حدیث کے برابر نہیں سمجھ سکتے۔

اس کے علاوہ اگر ہر کام خدا ہی کرتا ہے تو پھر سب سے چھوٹے، کیا دنیا میں جو کچھ برائی ہو رہی ہے وہ سب خدا کر رہا ہے۔ یا خدا کے حکم سے ہو رہی ہے۔ استغفر اللہ! پھر قانون شریعت کا وجود ہی بیکار ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہر حکومت میں بادشاہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ چوری ڈاکہ زنی وغیرہ سب بادشاہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں اس کے سمجھنے میں لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔

یہ مانا کہ ہر شخص اپنے گھر کا بادشاہ ہے یا مالک ہے۔ لیکن اسکو بھی اپنے گھر میں چند اصول اور قاعدے اور حدود مقرر کرنا پڑتے ہیں۔ گھر کا مالک ہو یا باپ۔ بیٹا بیٹی۔ نوکر سب کو کچھ نہ کچھ اختیار دیدیتا ہے۔ اور حکم ہوتا ہے کہ سب اپنے اپنے حدود یعنی ادب اور قاعدے میں رہ کر کام کریں۔

ہر شریف گھرانے میں ایک اصول ایک قاعدہ مقرر ہوتا ہے تاکہ اولاد یا ماتحت لوگ آزاد نہ ہو جائیں۔

کہنے کو باپ یا گھر کا بڑا اسیاہ سفید کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ بیٹا اگر کوئی بیقاعدگی کرے۔ بدکاری کا مرتکب ہو تو وہ باپ ہی کا فعل سمجھا جائے۔ کیا باپ بیٹے کو قائل نہیں کرے گا۔ کہ میں نے یہ کام کب کیا ہے جو تو مجھ کو الزام دے رہا ہے یا اس کو میرا فعل کہہ رہا ہے۔ کیا میں نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا کہ فلاں جگہ بری ہے وہاں ہرگز نہ جانا۔ تو کیوں گیا۔ تو نے اپنی حد سے باہر کیوں قدم رکھا اس گستاخی اس الزام پر باپ بیٹے کو سزا دے گا۔ کہ یہ سب تیری حرکت ہے۔

اسی طرح دنیا بھی ایک گھر ہے جس کا مالک خدا ہے۔ خدا نے بندوں کو کچھ اختیارات

دیدیے ہیں اور حدیں مقرر کر دی ہیں۔ اگر کوئی بندہ ان حدود اختیارات سے باہر قدم رکھے گا تو قیامت کے دن پوچھ گچھ ہو گی۔

خدا نے جس طاقت اور جس قوت کو جس کام کیلئے بنایا ہے اُسی کے لیے وہ طاقت اور قوت استعمال ہونا چاہیئے۔ بندہ اگر اس کے خلاف کسی طاقت کا استعمال کرے تو اسی کا نام گناہ ہے۔ یہ مانا کہ بھلائی برائی سب خدا کی طرف سے ہے لیکن غور کرنا چاہیئے کہ کیوں خدا کی طرف سے ہے۔ اسی لیے ہے کہ دنیا سراسر جانچ اور امتحان کا مقام ہے پھر اُس کے ساتھ ہی یہ بھی تو ہے کہ خدا نے عقل کے ذریعہ بھلائی برائی کی تمیز بھی تو دیدی ہے پھر خدا پر الزام رکھنا کیا معنی؟ خدا کو دیکھنا ہے کہ بندہ ہمارے کہنے پر چلتا ہے یا شیطان کے کہنے پر۔ ہم کو قصوروار ٹھہراتا ہے یا اپنے کو۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام جو سب کے باپ ہیں۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرایا۔ خدا پر الزام نہیں رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقبول ہو گئے۔ شیطان نے خدا پر الزام رکھا۔ مردود ہو گیا۔ اگر ذرا بھی عقل ہے تو تم خود فیصلہ کر لو کہ کون سا طریقہ اختیار کرنا بہتر ہے۔ جب خدا نے اچھائی برائی سب تبلادی ہے، تو ہم کو خود سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔

غرض سب کچھ خدا ہی کرتا ہے ایسا سمجھنا بڑی غلطی بلکہ شیطان اور نفس کا دھوکا ہے۔ انصاف کے لحاظ سے ہر کام ہر چیز ہر بات کے لیے خدا نے ایک قاعدہ ایک قانون بنا دیا ہے۔ جو کوئی خدا کے حکم کے موافق کام کرے گا اچھا بدلہ پائے گا خدا کے حکم کے خلاف کرے گا سزا ملے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ اپنی رؤفی اور رحیمی سے بخشدے۔

اگر دنیا میں کوئی اصول کوئی قاعدہ مقرر نہ رہے تو نفس و شیطان کی وجہ سے ہر طرف برائی پھیل جائے۔ ظلم ہونے لگے اپنے اغراض کیلئے طرکوئی کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔ خلاصہ یہ کہ کسی اصول اور قاعدے کے بغیر کہیں بھی کبھی امن چین قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ہر امر میں خدا اور رسول کے احکام کو نظر رکھ کر زندگی بسر کرنا چاہیے غرضکہ کسی معاملہ میں انسان خدا پر الزام نہ رکھے اپنے آپ کو قصوروار سمجھنا ہے خدا نے میرا نقصان کر دیا نفع نہیں پہنچایا۔ یا خدا نے نماز نہیں پڑھوائی ورنہ ضرور پڑھتا۔ اس قسم کی باتیں بندگی کے خلاف اور سخت گستاخی اور بے ادبی ہیں، اس لیے ان سے پرہیز کیا جائے ورنہ بندہ شیطان کی طرح راندہ درگاہ الٰہی ہو جائے گا۔

آخری چہار شنبہ اور چند ضروری باتیں

صفر کے آخری چہار شنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل صحت فرمانا کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گزرا۔ اور نہ کسی بزرگ کے قول فعل یا تجربہ سے معلوم ہوا۔ ہاں اس مہینہ میں بلائیں اور آفتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے متعلق آنحضرت کی حدیثیں ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں نے کچھ وظیفے تحریر کیے ہیں جو ہر سلسلہ کے مشائخ کا معمول ہیں یہ سب بلاؤں کے دفع ہونے اور رزق کی زیادتی کے لیے بزرگان دین نے لکھے ہیں۔

یہ ورد اور وظیفے یوں تو تمام ماہ صفر کے لیے ہیں۔ مگر آخری چہار شنبہ کیلئے خاص طور پر مقرر کیے گئے ہیں چنانچہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی کے خاص ملفوظات

لطائف اشرفی حصہ دوم کے صفحہ ۲۳۰ میں جو عبارت ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے:-

"زوالِ شرِ صفر کے متعلق: ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے اللہ خیریت اور کامیابی کے ساتھ اس مہینہ کو ختم کرے۔ حضرت موصوف فرماتے تھے صفر کے مہینے کے دن بہت ہی سخت ہیں۔ ایک دن سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدصورت شخص نمودار ہوا۔ (یہ صفر کا مہینہ تھا) لوگ ڈرے اور اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔ صفر کے مہینہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مجھ سے نہ بھاگیں کہ میں صفر کا مہینہ ہوں۔ گو بلائیں تکلیفیں میرے نصیب میں خدا نے رکھی ہیں مگر ان سے بچنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ جو لوگ خدا کی عبادت۔ دعاؤں اور وظیفوں میں مشغول رہیں گے وہ میری برائی سے محفوظ رہیں گے۔ تمام سال میں خدا نے دس حصے تکلیفیں رکھی ہیں جن کا ایک حصہ گیارہ مہینوں کو دیا گیا ہے اور نو حصے مجھ کو ملا ہے۔ آنحضرتؐ اور اُن کی آل کے صدقے میں ان تکلیفوں سے اللہ بچائے رکھے۔

وظیفے کی پہلی ترکیب: صفر کی پہلی رات میں چھ رکعت نماز پڑھے اور چاند رات میں جو دعائیں پڑھی جایا کرتی ہیں وہ سب پڑھ کر یہ دعا پڑھے اللھم صل علی سیدنا محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی وعلی آلہ وبارک وسلم اللھم انی اعوذ بک من شر ھذہ الشھر ومن کل شدۃ وبلاءٍ وبلیۃ قدرت فیہ یا دھر یا دیھور۔ یا دہار یا کان یا کینون یا کینان یا ازل یا ابد یا مبدئ یا معید یا ذی الجلال والاکرام یا ذالعرش المجید انت تفعل ما ترید اللھم احرس بعینک نفسی واھلی

وما لی و ولدی و دینی و دنیائی من هذه السنة وقنا من شر ما قضیت فیها واکرمنی فی السفر بکرم النظر واختم بسلامة وسعادة و اهلی و اولیائی و اقربائی و لجمیع امة محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ذا الجلال والاکرام تبلیغی بصحتها بحرمتہ الابرار والاخیار یا عزیز یا غفار یا کریم یا ستار برحمتك یا ارحم الراحمین ۔ جب تک صفر کا مہینہ ختم نہ ہو ۔ روزانہ ان سب کو پڑھا کرے ۔

دوسری ترکیب : صفر کی اول رات میں وتر کی نماز کے بعد سونے سے پہلے ۴ رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قلیا ۔ دوسری رکعت میں قل ھو اللہ تیسری میں سورہ فلق ۔ چوتھی میں سورۂ ناس ۔ سلام پھیرنے کے بعد سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر (۷۰) مرتبہ پڑھے ۔ سب بلاؤں سے محفوظ رہیگا ۔ آخری چہار شنبہ کو اشراق کے بعد نہائے پھر چار رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد انا اعطینا (۱۷) بار قل ہو اللہ ۵ مرتبہ ۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس ایک ایک بار پڑھے تو سال بھر تک حق کی حفاظت میں رہیگا ۔ اور یہ آیات سلام پڑھے (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ سلامٌ قولاً من رب رحیم (۲) سلامٌ علیٰ نوح فی العالمین (۳) سلامٌ علیٰ ابراھیم انا کذالك نجزی المحسنین (۴) سلامٌ علیٰ موسیٰ وھارون انا کذالك نجزی المحسنین (۵) سلامٌ علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (۶) سلامٌ علی الیاسین (۷) سلامٌ ھی حتیٰ مطلع الفجر ۔ یہ بھی منقول ہے کہ آخری چہار شنبہ کو الم ح واتین ۔ اذا جاء اور قل ہو اللہ ۱۰۰ مرتبہ پڑھے مہینہ ختم نہونے پائے کہ مالدار ہو جائے ۔

صفر کے مہینے میں بلاؤں کی خصوصیت ہی کے مدنظر آخری چہار شنبہ کو اورادو اور اعمال کیلئے مخصوص کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص سے تمام سال یا تمام ماہ وردو وظائف ممکن نہوں تو آخری چہارشنبہ ہی کے روز وردو وظائف پر اکتفا کر سکتا ہے۔ جس طرح اس دن غسل صحت فرمانا ثابت نہیں اسی طرح حضورؐ کا باغ کی سیر کو بھی جانا صحیح احادیث تو کیا کسی ضعیف حدیث یا بزرگوں کے قول سے ثابت ہونا بھی قاصر نظر سے نہیں گزرا۔ اور پھر جب غسل صحت حضورؐ سے ثابت ہی نہیں تو اس دن خوشی منانا غور طلب ہے۔ سیر کو جانا۔ خوشی منانا یہ صرف اسلامی مکتبوں کی یادگار معلوم ہوتی ہے معلمین اور مولوی صاحبان جنکی علمیت محدود تھی اور نظریں وسیع نہیں تھیں اُن حضرات نے نفع مال کے پیش نظر یہ طریقہ رائج کیا ہوگا۔ کہ استاد اپنے اپنے طلباء کو لیکر تفریح کیلئے جنگل کو نکل جاتے ہوں گے اور طلبہ کو عید اور شبرات کی طرح عیدیاں دیگر طلبہ کے ورثاء سے انعام حاصل کرتے ہونگے۔

ضعیف حدیث: اعمال کے فضائل کے لیے ضعیف حدیث مقبول سمجھی جاتی ہے۔ لیکن احکام میں اسپر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ **مگر حقیقت یہ ہے** کہ جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع نظر آئے اُسکو کرنا اُسی حالت میں ممنوع ٹھہرے گا کہ وہ فعل شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ کسی کلی قاعدہ کے تحت ہے تو فعل سے ممانعت نہیں ہوگی یہ کوئی فقہی حلال و حرام کا مسئلہ نہیں ہے۔

اہل کشف کے نزدیک اگر کوئی کشفی مسئلہ ثابت ہو تو اُن کے متبعین کے لیے دلیل اور قابل عمل ہو سکتا ہے بات یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کو ظاہری سند کے علاوہ دوسرا ایک ارفع و اعلیٰ روحانی طریقہ بھی حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے قد اخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحیّ

الذی لا یموت یعنی تم نے اپنا علم سلسلۂ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لا یموت سے حاصل کیا ہے۔ اسی چیز کو حضرت مولانا رومؒ نے اس طرح فرمایا ہے۔

ما مریدانیم شاگردان حق　　علم ما از علم حق گیرد سبق

آخری چہار شنبہ کو خوشی منانے کی بابت اگرچہ قاصر نظر سے کوئی سند نہیں گزری تاہم حسن اتفاق سے کتاب ترجمہ مرقع شریف (جو حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی سے منسوب ہے) نظر سے گزری۔ اس کے صفحہ ۹۶ میں جو عبارت نظر آئی وہ یہ ہے۔

"مفتاح الجنان میں شیخ الاسلام حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نقل کرتے ہیں کہ سلطان الانبیا، علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفر کے آخری مہینہ میں بیماری کی تکلیف زیادہ تھی۔ اسی ہفتہ آخری چہار شنبہ میں تخفیف ہوئی تو مسلمانوں نے خوشی کی۔"

کاتب الحروف کے پاس خواجگان چشت کے ملفوظات نہیں ہیں ممکن ہے ان میں اس کا کوئی تذکرہ ہو۔ یوں تو بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ جن سے ظاہری محدثین انکار فرماتے ہیں جیسے خرقہ۔ اور حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصری کی ملاقات۔ مگر اہل باطن اور اہل کشف کے پاس انکی سندیں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی اور حضرت حسن کی ملاقات ثابت کرنے کے لیے عربی زبان میں فخر الحسن کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھ ڈالی بعرصہ ہوا یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ غرض کسی حدیث کی سند پر کیسے ہی طعن ہوں ان کی وجہ سے حدیث شریف کے بطلان پر ہی یقین کر لینا صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ واقع میں حق ہو اور جب سچائی کا احتمال باقی ہے تو عاقل انسان جہاں بے ضرر نفع کی اُمید پائے گا۔ تو اس فعل سے فائدہ بھی اُٹھائے گا۔ دین دنیا کے کام اُمید پہ چلتے ہیں۔ پھر سند میں

نقصان دیکھ کر ایک دم اُس سے دستکش ہو جانا کونسی عقلمندی ہے۔

ایسی حدیث جس سے ضعیف حدیث کی بھی تقویت متصور ہو سکتی ہے

سند امام احمد حنبل اور ابن ماجہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :-

ماجاء کم عنی من خیر قلتہ اولم قلتہ فانی اقولہ وماجاء کم عنی من شر فانی لا اقول الشر	تم کو جسکی بھلائی کی خبر مجھ سے پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی یا نہ فرمائی ہو مگر میں اُسے فرماتا ہوں اور جس بری بات کی خبر پہنچے۔ تو میں بُری بات کبھی نہیں فرماتا۔

تمام علمائے محدثین فضیلت والی حدیثوں میں نرمی فرماتے ہیں۔ ہاں احکام کی حدیثوں میں سختی کرتے ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جس کو جیسی خبر پہنچے اُسپر عمل کرے مگر نیک نیتی سے عمل کرے۔ شک کو دل میں جگہ نہ دے تو حسن نیت سے ضرور نفع پہنچیگا۔

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا عند ظن عبدی بی (تجرید الاحادیث صفحہ ۲۲۹) **ترجمہ** : میں اپنے بندہ کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان کرتا ہے۔ تو جب ہم اللہ سے نیک اُمید رکھیں گے وہ اپنے کرم سے اس حدیث شریف کے تحت ہماری اُمید کو ضائع نہ فرمائے گا۔ غرض اس سے یہ ہے کہ ان تمام اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بزرگوں سے آخری چہار شنبہ کے متعلق جو ورد اور وظیفے ثابت ہیں بلا تکلف اُن پر عمل کرے اور ثواب کی اُمید رکھے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ہ

خواب کے متعلق : حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

رؤیاء المومن جزء و من ستة واربعین جزء من النبوة (بخاری و مسلم)	مومن کا خواب نبوت کے ۴۶ جزوں میں سے ایک جزو ہے ۔
لا نبوة بعدی الا المبشرات الرویاء الصالحة (ص. تجرید الاحادیث صفحہ ۴۱۵)	میرے پاس نبوت نہیں مگر نیک خواب اور خوشخبریاں ۔
اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا (صحیح مسلم و ترمذی)	تم میں سے سچا خواب دیکھنے والا وہ شخص ہے جو زیادہ سچ بولے

ضعیف حدیث کے متعلق دو خواب

۱۔ ایک ضعیف حدیث میں بدھ کے دن پچھنے لگانے کی یوں ممانعت آئی ہے من احتجم یوم الاربعاء و یوم السبت فاصابہ برص فلا یلومن الا نفسہ (ترجمہ) جو بدھ یا ہفتہ کے دن پچھنے لگائے اُسکے بدن پر سفید داغ ہو جائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے ۔ ایک صاحب محمد جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی ۔ بدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو ضعیف ہے ، فصد لیلی ۔ فوراً برص کی بیماری ہوگئی ۔ خدا کی شان کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی حضور نے فرمایا ایاک والاستھانة بحدیثی : (ترجمہ) خبردار میری حدیث کو ہلکا نہ سمجھنا اُنھوں نے (خواب ہی میں) توبہ کی آنکھ کھلی تو اچھے تھے ۔ (امام جلال الدین سیوطی کی کتاب لآلی او فردوس دیلمی دیکھیے) یہ حافظ الحدیث امام جلیل حضرت جلال الدین سیوطی قدس سرہ وہ بزرگ ہیں جن کو بیداری میں ۷۵ بار حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور اُنھوں نے بالمشافہ حضور سے بہت سی حدیثوں کی تحقیق کی دولت حاصل کی ۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں اسکو تحریر فرمایاہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رح نے نسیم الریاض شرح امام قاضی عیاض میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ یعنی ایک حدیث ضعیف میں بدھ کے دن ناخن کٹروانے کو بھی برص کی بیماری کا سبب فرمایا گیاہے ایک بزرگ علامہ بن الحاج مکی مالکی قدس سرہ نے بدھ کے دن ناخن کٹروائے کسی نے بربنائے حدیث منع کیا تو کہا حدیث صحیح نہیں۔ بالآخر برص کی بیماری ہوگئی بہت پشیمان ہوئے۔ حضورؐ تو رؤف ورحیم ہیں۔ خواب میں اُن کو بھی اپنے جمال جہاں آرا سے مشرف فرمایا گیا۔ انھوں نے ادب سے اپنا حال عرض کیا ارشاد فرمایا تم نے نہیں سنا ہے کہ ہم نے اسکی ممانعت کردی ہے۔ عرض کیا میرے نزدیک حدیث صحت کو نہ پہنچی تھی جواب میں ارشاد عالی ہوا کہ تمہیں اتنا کافی تھا کہ یہ حدیث ہمارے نام سے تمھارے کانوں تک پہنچی ہے۔ ندامت دامنگیر ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے بدن پر اپنا دست شفقت پھیر دیا۔ فوراً اچھے ہوگئے۔ اُس وقت سے توبہ کرلی کہ اب کبھی حدیث سنکر مخالفت نہ کروں گا (کتاب درمختار کے حاشیہ پر بھی اسکی صراحت ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے)

اسی سلسلہ میں ایک اور بات قابل تذکرہ ہے وہ یہ کہ اسلام میں نحوست خود بالذات کوئی چیز نہیں ہے۔ سعادت، شقاوت۔ کسی دن یا مہینہ، ساعت یا گھڑی کی نحوست سب منجانب اللہ ہے۔ یعنی خدا نے ہر چیز میں اپنی حکمت یا کسی مصلحت کی بنا پر کوئی نہ کوئی تاثیر رکھی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے ؎۔

انما الشوم فی ثلاثۃ الفرس والمرأۃ والدار (تجرید الاحادیث صفحہ۹ بحوالہ بخاری)	بدفالی تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑا۔ عورت۔ گھر۔

بالذات نحوست نہ ہونا ان حدیثوں سے ظاہر ہے۔

لا عدویٰ ولا ھامۃ ولا نوء ولا صفر ابوداؤد وتجرید الاحادیث صفحہ ۲۱۲)	بیماری کا متعدی ہونا۔ اُلو۔ ستارہ بد۔ ماہ صفر یہ سب حق نہیں۔
لا عدویٰ ولا طیرۃ فمن اعدل اوّل (طبری وتجرید صفحہ ۲۱۲)	بیماری کا متعدی ہونا اور بدفالی کچھ چیز نہیں۔ پہلے بیمار کو کس سے بیماری لگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بالذات کسی میں کچھ اثر نہیں۔ جو کچھ ہے خدا کے حکم سے (ایمان والوں کے امتحان کیلئے) ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہی ہے کہ بالذات کسی چیز میں کوئی اثر نہیں۔ اگر ہے تو کسی حکمت کی بنا پر خدا کی طرف سے ہے۔ ایک اور حدیث ہے۔

لا عدویٰ ولا طیرۃ ویعجبنی الفال (دارقطنی وتجرید الاحادیث صہ ۲۱۲)	بیماری کا متعدی ہونا اور بدفالی لینا حق نہیں۔ نیک فال لینا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لیا کرتے تھے اور اس سے خوش ہوتے۔ صراحۃً ایک اور حدیث میں وارد ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتفاول ولا یتطیر۔ یعنی حضورؐ نیک فال لیا کرتے تھے بری فال نہیں لیتے تھے۔ عام طور پر کتے کے رونے یا بلی کے آگے نکل جانے یا ننگے سر والی عورت کے آگے بڑھ جانے یا چھینک آنے کو برا جاننا یہ سب غلط ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھے ایسی باتوں سے دل کو متاثر نہ ہونے دے۔ دل کے اطمینان کے لیے ایسے موقعوں پر حدیث کی یہ دعا

اے اللہ تیرے سوا کوئی نیکیاں لانے والا نہیں اور نہ تیرے سوا کوئی برائیاں دور کرنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا۔ اور عبادت کی قوت تیری امداد کے بغیر نہیں۔	اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت ولا یذھب بالسیئات الا انت ولا حول ولا قوۃ الا بک (حصن حصین شریف)

داڑھی اور سر کے بال

جس طرح داڑھی منڈوانا یا بالکل کتروا دینا بالاتفاق (علماء) حرام اور گناہ ہے اسی طرح تمام علماء کے نزدیک مقررہ حد سے زیادہ بڑھا لینا بھی صحیح نہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ عبداللہ ابن عمر۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ غرض تمام صحابہ، تابعین۔ تبع تابعین حضرت امام ابوحنیفہ اور فقہ کی تمام کتابوں اور حدیثوں کی تصریح سے داڑھی کی حد ایک مشت ہے۔ اس سے کم کرنے کو کسی نے بھی حلال نہیں جانا۔ قبضہ سے زیادہ ہو تو اس کا قطع کرنا سنت ہے بلکہ اس کے ساتھ واجب کا لفظ آیا ہے نہ صرف حدیث اور فقہ کی کتابوں بلکہ تصوف کی کتابوں احیاء العلوم وغیرہ میں بھی اسکی تفصیل موجود ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ محمد حبیب علی قدس سرہ کے فتووں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔ یہ غلط مشہور ہے کہ داڑھی میں استرہ یا قینچی لگنا ہی نہیں چاہیئے۔ اسکی کسی حدیث میں ممانعت نہیں پائی گئی۔ اگر ایسا ہوگا تو داڑھی شرعی حد سے زیادہ ہو جائے گی جو ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ زیادہ تفصیل بڑی بڑی کتابوں

میں دیکھیے یا حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے شاگرد مولوی امداد حسین صاحب کی مختصر مگر جامع کتاب مسائل ضروریہ ملاحظہ فرمالیجئے۔

اب رہے **سر کے بال**! تو یا تو رکھ لیے جائیں اور اُن کی کافی نگاہ داشت کی جائے یا پھر بالکل سر منڈا دیا جائے۔ خیر الامور اوسطہا کے تحت سر کے بالوں کو درمیانی حالت میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ یہ عام حالت کے لحاظ سے ہے۔ خاص حالت یعنی حج میں بھی حضورؐ نے تیسرے نمبر پر بال کتروانے کی استدعا کو قبولیت کا شرف عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ پارہ سیقول کی تفسیر (مواہب الرحمٰن) کے صفحہ ۱۳، سطر ۲۳ میں ہے کہ:

"حدیبیہ کے احصار میں صحابہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا کہ سر منڈاؤ اور حلال ہو جائیں پس صحابہ نے تاخیر کی کہ شاید حکم منسوخ ہو۔ یہاں تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نکلے اور سر منڈایا پس لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا اور بعض نے فقط بال کترائے تو نبی اللہ نے فرمایا سر منڈانے والوں پر اللہ رحم کرے تو صحابہ نے عرض کیا اور بال کتروانے والوں پر بھی یا رسول اللہ۔ پس تیسری بار فرمایا بال کترانے والوں پر۔ ایسا ہی صحیحین سے ثابت ہوتا ہے۔ اور کتب فقہ مذہب حنفیہ میں بھی سر منڈانا یا بال کترانا ماخوذ ہے۔"

قرآن شریف میں شاعروں کا تذکرہ

قرآن شریف میں جہاں جہاں شاعری کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس سے شاعری کی مذمت مقصود نہیں بلکہ یہ بتایا ہے کہ رسول کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ شاعر ہو۔ کیونکہ شاعری کسی پیغمبر

معیار قابلیت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے بعض بعض آیتوں میں صاف طور پر صراحت فرمادی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کلام سناتے ہیں وہ خدا کا کلام ہے اس کو شاعری یا کسی کاہن کی پیش گوئی نہ سمجھ لینا۔ کیوں کہ رسول کی شان اس سے بالاتر ہے۔ ارشاد باری ہے۔

ہم نے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور یہ اُس کی شان کے لائق بھی نہ تھا۔	ما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (سورہ یٰسین)

بعض لوگ ایسے زاہد خشک ہوتے ہیں کہ اُن کے سامنے اگر کوئی شعر پڑھ دیا جائے تو معشوقوں کی طرح اُن کی پیشانی پر شکن پڑجاتی ہے بہت ناگوار ہوتا ہے اور جھٹ سے یہ آیت پیش کر دیتے ہیں۔ الشعراء یتبعھم الغاون اور اس بنا پر شعراء کو گمراہ ٹھہراتے ہیں حالاں کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ پوری آیت یہ ہے (پارہ ۱۹ سورہ شعرا آخر)

شاعروں کی پیروی گمراہ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگردان پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلا لیا بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔	والشعراء یتبعھم الغاون ۞ الم تر انھم فی کل واد یھیمون ۞ وانھم یقولون ما لا یفعلون ۞ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

یہ آیت شعرائے کفار کے حق میں نازل ہوئی، جو سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں اور اُنکی قوم کے گمراہ لوگ اُن سے ان اشعار کو نقل کرتے تھے۔ ان لوگوں کی آیت میں مذمت فرمائی گئی، اسمیں پہلے بیہودہ گو شعراء کا بیان فرماکر شعرائے اسلام کا استثناء فرمایا گیا کہ وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد لکھتے۔ اسلام کی مدح لکھتے ہیں۔ پند ونصائح لکھتے ہیں اس پر اجر وثواب پاتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان کے لیے ممبر بچھایا جاتا تھا۔ وہ اس پر کھڑے ہوکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مفاخر ومناقب پڑھتے تھے۔ اور کفار کی بدگوئیوں کا جواب دیتے تھے۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے حق میں دعا بھی فرماتے جاتے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ حضور کی مجلس مبارک میں اکثر شعر پڑھے جاتے تھے جیسا کہ ترمذی میں جابر بن سمرہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے بعض بُرا۔ اچھے کو لو بُرے کو چھوڑ دو۔ شعبی نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق شعر کہتے تھے اور حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ تو ان سب سے زیادہ شعر فرمانے والے تھے۔ کذا فی تفسیر خزائن العرفان برحاشیہ ترجمۂ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اسی طرح تفسیر قادری معروف بہ تفسیر کشف القلوب مولفہ حضرت مولنا مولوی شاہ محمد عمر صاحب قادری جنبلی رحمۃ اللہ علیہ حیدرآبادی میں آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ بہرحال یہ آیت شاعری یعنی جذبات نگاری کے منافی نہیں اسلیے

کہ اس طرح اس آیت میں اُن شعراء کی مذمت ہے جنھوں نے شاعری کو گمراہ باتوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اور اصل راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ رہا یہ کہ اصلی راہ کیا ہے اور شاعری کیسی ہونی چاہیئے اس کے لیے "شاعری مذہبی نقطہ نظر سے" وہ ہمارا مضمون دیکھیے جو رسالہ پیمانہ ماہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے (مولانا سیماب اکبرآبادی نے اس مضمون کو دیکھ کر اور خوش ہو کر جو مجھ کو خط لکھا تھا وہ میرے پاس محفوظ ہے)

اسی آیت میں اللہ نے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے انّ ھُم یقولون بما لا یفعلون (ترجمہ) یعنی شاعر جو کچھ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ اس ارشاد خداوندی سے شاعروں پر زاہدان خشک کی طرف سے جو اعتراض ہے، خود بخود اُٹھ گیا۔ یعنی عشق عاشقی کا بیان شاعر کی طرف سے محض تفریحاً ہوتا ہے (شاعری کی حد تک ہوتا ہے) اس کو بوالہوسی قرار دینا جہالت ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعری کو کس نظر سے دیکھا۔ اس کے ساتھ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

تعلموا الشعر فانہ یعرب السنتکم (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث ۱۳)	شعر سیکھو کیونکہ وہ تمھاری زبان کی ترجمانی کرتا ہے۔
تعلموا الشعر حکمۃ و امثالہ (فردوس دیلمی و تجرید الاحادیث نمبر ۱۳)	شعر میں سے حکمت اور علم والے اشعار سیکھو۔
حسن الشعر کحسن الکلام وقبیحہ کقبیح الکلام (تجرید الاحادیث بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و نسائی)	عمدہ شعر عمدہ کلام کی طرح اور برا شعر برے کلام کی طرح ہے۔

مسلم شریف کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر اور تہذیب الاسماء مطبوعہ یورپ کے صفحہ ۱۶۴ میں ہے کہ ایک روز حضورؐ نے شرید صحابی سے پوچھا کہ امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا یاد ہے فرمایا سناؤ۔ اُنھوں نے سُنایا۔ حضور سُن کر خوش ہوئے۔ ان صحابی کا بیان ہے کہ میں نے ننو شعر حضور کو سُنائے۔ اگرچہ یہ شاعر کافر تھا مگر اچھے شعر ہونے کی وجہ سے حضور نے اشعار کو پسند فرمایا۔ ایک دفعہ آپ نے عامر شاعر سے کہا (جو سواری پر تھے)

انزل یا عامر سمعنا من ھنیاتک (تجرید الاحادیث صہ۱۰۳ بحوالہ طبرانی)	اے عامر، تو اُترآ۔ اپنی غزلیں سُنا دے۔

اگر مذہباً شاعری بری ہوتی۔ یا اشعار کا سننا پڑھنا برا ہوتا تو حضور ایسا کوئی فعل کیوں کرتے۔

چنانچہ کفار کے مقابلہ میں آپ نے حضرت حسّان کو تردیدی اشعار لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت حسّان کے لیے مسجد میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ممبر نصب کراتے جس پر بیٹھ کر وہ کفار کی تردید اور آنحضرت کی شان میں اشعار پڑھتے (دیکھیے مشکوٰۃ شریف ۳۶۱)

اشعار میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس دلکش پیرائے میں کفار کی تردید کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر فرماتے اللّٰھم ایدہ بروح القدس یعنی اے اللہ روح القدس سے اس کی مدد کر (دیکھیے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۷۵)

نعتیہ اشعار

کتاب خصائص کبریٰ میں علامہ جلال الدین سیوطی رح تحریر فرماتے ہیں کہ نابغہ اجعدی نے دربار رسالت میں ایک عمدہ شعر عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اجدت لا یفضض اللہ فاک یعنی تو نے جید شعر کہا اللہ تیرے دانتوں کو نہ توڑے نابغہ شاعر نے سنّو سال کی عمر پائی لیکن دانت نہ گرے (دیکھئے دلائل النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ اور خصائص کبرا جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

سید محمد برزنجی مدنی نے اپنے بعض رسالوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب کعب بن زہیر شاعر نے حضور کی شان میں یہ شعر لکھ کر سنایا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ	رسول بیشک ایسے نور ہیں جن سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔
مہندٌ (سیفٌ) من سیوف اللہ المسلو	اللہ کی ننگی تلواروں میں سے آپ ایک تلوار ہیں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح فرمائی کہ مہندٌ کی جگہ سیفٌ کر دیا (اسی لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا ہے) جس سے سیف کا نہ صرف محدود ہونا جاتا رہا بلکہ مصرع نہایت زوردار ہو گیا اور چار چاند لگ گئے۔

کلیات محسنؔ میں صراحت ہے کہ اس شعر سے خوش ہو کر حضورؐ نے کعب بن زہیر شاعر کو اپنی چادر مبارک مرحمت فرما دی (دیکھئے قصیدہ بانت سعاد صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء) غرض نعتیہ اشعار کا پڑھنا اور سننا ثبوت ہم نے پیش کر دیا

حاجت روائی کا

مجرّب عمل

میں جس زمانہ میں سرکاری ملازم تھا۔ اتفاق سے ایک سرکاری مثل کھوگئی بڑی پریشانی تھی۔ عہدے داروں کا تشدد تھا۔ مثل نہ ملنے سے گویا نیند حرام تھی۔ بہرحال عربی سلام (جو آگے آتا ہے) اور درود شریف کے پڑھنے سے مثل ملگئی۔ اس طرح اللہ نے بڑا فضل فرمایا۔ اسی لیے میں نے مجرب اسکو لکھا ہے۔ درود شریف کی مجلسوں میں گٹھلیوں پر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ (مولسری کے بیج ہوں یا کرنج کے یا کھجور کے)

کھجور کی گٹھلیاں ہی حضرت جویریہ کی تسبیح تھیں دیکھئے کتاب زاد الامیر صفحہ ۱۱۔ جسمیں بحوالہ حصن حصین حدیث سے اس کی سند ہے (کتاب اُسوۂ صحابہ میں بھی یہی ہے)

سب سے پہلے کھجوروں۔ چھوہاروں اور شریفے وغیرہ کے بیجوں کو صاف کر کے جمع کرلیا جائے یہ تعداد میں (۲۵ ہزار) ہوں۔ ورنہ کم سے کم (۲۴ ہزار) تو ضرور ہوں۔

کسی مسجد میں صاف پاک چادریں بچھادی جائیں۔ چادروں کی لمبائی کے موافق بیجوں کو بیچ میں پھیلا دیا جائے۔ پھر لوگ ان چادروں کے اِدھر اُدھر بیٹھیں

پھر ہر مسلمان بھائی ایک ایک بیج اُٹھائے اور اُس پر درود شریف پڑھ پڑھ کر اپنے سامنے جمع کرتا رہے۔ نماز والا درود شریف یعنی درود ابراہیمی پڑھا جائے تو بہت بہتر ہے۔

جس وقت تمام مسلمان بھائی درود شریف پڑھ رہے ہوں اُس وقت سیدھے ہاتھ پر یا آستین پر عمدہ عطر لگا دیا جائے۔ اس کے بعد اس پر نظر رہے کہ جو نئے صاحب آکر اس مجلس میں شریک ہوں اُن کے عطر لگایا جائے۔

اگر گفتگو نہایت ہی ضروری ہو تو بولیں ورنہ سب لوگ خاموشی سے خلوص سے درود شریف پڑھتے رہیں۔ اگر کسی چادر والے حضرات نے اپنے بیجوں پر درود شریف پڑھ لیا ہے تو جس چادر پر زیادہ تعداد میں بیج ہوں وہاں سے بیج اس طرف منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی صاحب اِدھر سے اُدھر جانے کیلئے بیجوں کو نہ ناکھیں، یہ ادب کے خلاف ہے۔ جب تمام بیجوں پر درود شریف پڑھا جا چکے تو اب پنج آیت شروع کیجائے اور سورہ کے ختم پر اللہ اکبر کہہ دیا کریں۔

اگر کافی وقت ہو تو سورہ تبارک الذی کوئی صاحب پڑھیں۔ ورنہ لا یستوی پڑھ دیں اس کے بعد قل یا ایک بار۔ اس کے بعد قل ھو اللہ ۳ بار۔ اس کے بعد قل اعوذ برب الفلق۔ اس کے بعد قل اعوذ برب الناس۔ پھر الحمد (مختلف حضرات ایک ایک سورہ پڑھیں یا سب ملکر پڑھیں) پھر تنہا ایک صاحب الف لام میم مفلحون تک پڑھیں۔ اس کے بعد آیت الکرسی۔ اس کے بعد لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ اس کے بعد شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو۔ حکیم تک۔ پھر وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا (علیم) تک۔ پھر للہ ما فی السموات والارض (ما طاقۃ لنا بہ تک) پڑھیں

اس کے بعد تین مرتبہ (یہ آیت: واعف عنا واغفر لنا وارحمنا) پڑھیں۔ اس کے بعد انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

اس کے بعد ان رحمت اللہ قریب من المحسنین وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

اس کے بعد ما کان محمد ابا احد (بکل شیئ علیما) تک پڑھیں) اس کے بعد ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ پڑھیں۔ پھر درود تاج پڑھا جائے پھر سب لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اور عربی سلام (جو آگے آتا ہے) پڑھیں۔

یہ سلام اس طرح پڑھا جائے گا کہ سلام پڑھنے والے صاحب اس عربی سلام کا پورا اوّل شعر اکیلے پڑھیں (بلند آواز سے)

جب وہ پڑھ چکیں تو اسی اوّل شعر کو سب لوگ مل کر بلند آواز سے پڑھیں اس کے بعد سب خاموش ہو جائیں۔ اور سلام پڑھنے والے تنہا بلند آواز سے عربی سلام کا دوسرا شعر پڑھیں۔ جیسے ہی یہ شعر ختم ہو۔ پھر سب مسلمان بھائی ملکر وہی پہلا شعر بلند آواز سے پڑھیں۔ اس کے بعد پھر سلام پڑھنے والے صاحب بلند آواز سے تنہا تیسرا شعر پڑھیں۔ جیسے ہی یہ ختم ہو تو پھر سب ملکر وہی پہلا شعر بلند آواز سے پڑھیں۔ غرض اسی طرح پورا سلام پڑھا جائے گا۔ آخری شعر اور پہلا شعر بلند آواز سے حسب ہدایت پڑھ لینے کے بعد سلام پڑھنے والے صاحب بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہوئے بیٹھ جائیں اور سب لوگ بھی اسی پر عمل کریں۔

اس کے بعد سلام پڑھنے والے صاحب یا اور کوئی صاحب لفظ "فاتحہ" کہہ کر فاتحہ کے ختم کا اعلان کریں (اگر موقع ہو اور مزید ثواب کی طلب ہو تو قل ھو اللہ پہلے سے

پڑھ کر کہیں کہ یا اللہ جو کچھ پڑھا گیا ہے یہ نذر دربار رسالت میں پیش ہو اور اس کو قبولیت کا شرف عطا ہو۔ پھر یہ دعا مانگیں:

الٰہی سلامتی ایمان مسلماناں و موناں وادائے قرض قرضداراں و شفائے بیماراں وارزانی غلہ و خلاصی محبوساں و دعائے فتح لشکر اسلام و حصول مراد حاضرین و غائبین و بانی محفل۔ نصر من اللّٰہ و فتح قریب و بشر المومنین۔ واللہ خیرٌ حافظا و ھو ارحم الراحمین۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

اس کے بعد شیرینی جو کچھ ہو سکے تقسیم کر دیجائے۔ اب گویا درود شریف کی مجلس ختم ہوئی ہر حاجت کیلئے اسی طرح مجلس کیجا سکتی ہے۔ ختم پر دعا مانگنا اس حدیث سے ہے!

عند کل ختمة دعوة مستجابة تجرید الاحادیث مر ۲۱۳ بحوالہ کتاب ابو نعیم)	ہر ایک ختم کیوقت دعا قبول ہوتی ہے

عربی سلام مع خمسہ

٤٨٦
٩٢

نعت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يا شفيعَ الورىٰ سلامٌ عليك

خُذ يدى مصطفىٰ سلامٌ عليك   انت لى مدّعا سلامٌ عليك

یا کریمَ السخا سلامٌ علیک ۔ یا شفیعَ الوریٰ سلامٌ علیک
یا نبیَّ الھدیٰ سلامٌ علیک

انتَ نورُ العلا سلامٌ علیک ۔ انتَ کنزُ العطا سلامٌ علیک
طیّبٌ احمدا سلامٌ علیک ۔ خاتمُ الانبیا سلامٌ علیک
سیّدُ الاصفیا سلامٌ علیک

تم کو اللہ نے لیا ہے چن ۔ سب نبیوں میں نورِ امرِ کن
یوں خدا کی قسم بھیا ہے وہ حسن ۔ احمدٌ لیس مثلکَ احدٌ
مجتبیٰ مصطفیٰ سلامٌ علیک

آپ صادق ہیں آپ ہیں مصدوق ۔ آپ ناطق ہیں آپ ہیں منطوق
جوں کہ خالق کے آپ ہیں معشوق ۔ واجبٌ حبُّکَ علی المخلوق
یا حبیبَ العلا سلامٌ علیک

احسنُ الخلق افصحُ الفصحا ۔ افضلُ الخلق اکملُ الکملا
اکرمُ الخلق اعظمُ الفضلا ۔ اعظمُ الخلق اشرفُ الشرفا
افضلُ الاذکیا سلامٌ علیک

شرک کی تھی جہاں میں چھائی گھٹا ۔ کفر کا ہر طرف اندھیرا تھا
ذات انور کا نور جب چمکا! ۔ کشفتْ منکَ ظلمتُ الظلما
انتَ بدرُ الدجیٰ سلامٌ علیک

کیوں نہ صدقے ہو روح دل قرباں ۔ یہ ہے دونوں جہان پر احسان
تم نے حق کی سکھائی ہے پہچان ۔ طلعتْ منکَ کوکبُ العرفان

أَنْتَ شَمْسُ الضُّحٰی سَلَامٌ عَلَیْكْ

سب رسولوں میں آپ ہیں ذیشان　　سب نبیوں کے آپ ہیں سُلطان
حق کا فرمان آپ کی ہے زبان　　مَهْبَطُ الْوَحْیِ مُنْزِلُ الْقُرْآن

أَنْتَ حُسْنُ الثَّنَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

انبیا میں یہ شان ہے کس کی　　کوئی حق کا حبیب ہے عرشی
آسمانی فضائیں ہیں کہتی　　کَیْفَ شَقَّ الْقَمَرَ بِاِشَارَتِهٖ

مُعْجِزُ الْاِدِّعَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

دل مرا آپ کا تمنائی　　سر مرا آپ کا ہے سودائی
کر خدا آپ کا ہے شیدائی　　اِنَّكَ مَقْصِدِیْ وَ مَلْجَائِیْ

اِنَّكَ مُدَّعَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

شرم ہے اک عمل نہیں اچھا　　قبر کا حشر کا بھی ہے دھڑکا
آپ شافع ہیں یا حبیب خدا　　اِشْفَعْ یَا حَبِیْبِیْ یَوْمَ الْجَزَا

أَنْتَ شَافِعُنَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

دل کو احساس ہے نہ کچھ ادراک　　کاش ہو جائیں اسکے پردے چاک
تم حبیب خدا ہو روحی فداک　　مَطْلَبِیْ یَا حَبِیْبِیْ لَیْسَ سِوَاكْ

أَنْتَ مَطْلُوْبُنَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

آپ میں ہے یہ شان یکتائی!　　ہے خدا آپ کا تمنائی
ہو نہ محشر کے روز رسوائی　　سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ

لَكَ رُوْحِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْكْ

سُن کے صلوا علی النبی کی صدا رحمتوں کا عجیب عالم تھا
دیکھ کر جلوۂ حبیب خدا! لیلۃ اسریٰ بہ قالت الانبیا
مرحبا مرحبا سلامٌ علیک

آپ سے بڑھ کے سید والا کوئی واللہ ہو نہیں سکتا
اس لیے یہ صدا ہے صبح و مسا صلواۃ اللہ علے المصطفیٰ
افضل الاذکیا سلامٌ علیک

نورِ حق سیدی و مولائی ہے تمنا لقائے حضرت کی
درد پر بھی کرم ہو حق کے نبی ھٰذا قولُ غلامک و عشقی
منہُ یا مصطفیٰ سلامٌ علیک

اللہ اللہ سید عالیجناب اللہ اللہ شافع یوم الحساب
اللہ اللہ اے جمال ذات حق اللہ اللہ اے کمال ذاتِ حق
اللہ اللہ بدر احمد پر درود اللہ اللہ صد احمد پر درود
اللہ اللہ نور رب العالمیں اللہ اللہ رحمت حق بر زمیں
اللہ صد جمال و صد جمیل اللہ اللہ اپنی اُمت کے کفیل
صلِّ اللّٰھم بر روئے رسول صلِّ اللّٰھم بر خوئے رسول
صلِّ اللّٰھم بر نورِ نظر صلِّ اللّٰھم بر قلب و جگر
صلِّ اللّٰھم بر طٰہٰ لقب صلِّ اللّٰھم بر فخر عرب
صلِّ اللّٰھم بر گیسوئے پاک صلِّ اللّٰھم بر ابروئے پاک

صل اللّٰھم بر نعم البشیر ‏ ‏ صلّ یارب بر رسول بے نظیر

صل یارب بر زبان مصطفا ‏ ‏ صلّ یارب بر بیان مصطفا

ہیں فلک پر جتنے تارے یاودود ‏ ‏ بھیج اتنے اپنے احمد پر درود

لفظ ہو ہے آپ کا سال وصال ‏ ‏ درد دیکھو "ہو" میں احمد کا جمال

اللہ اللہ آج کردے شادکام ‏ ‏ آج نورانی ہو جان و دل تمام

اللہ اللہ نام طور قلب ہو ‏ ‏ جس کا ہر ہر حرف نور قلب ہو

اللہ اللہ کیسا نام پاک ہے ‏ ‏ جس سے نورانی سراسر خاک ہے

اللہ اللہ تو ہی ہے انعم الوکیل ‏ ‏ تو ہی حسبی تو ہی ربی ہے جلیل

اللہ اللہ وہم ہستی دور کر ‏ ‏ ماسوا سے آج کردے بیخبر

اللہ اللہ کیسا شیریں ہے یہ نام ‏ ‏ شیر و شکر جس سے یہ دل ہے تمام

اللہ اللہ ہاں بنادے سارے کام ‏ ‏ اللہ اللہ ہاں پلادے اپنا جام

اللہ اللہ از طفیل مصطفےٰ ‏ ‏ غرق اپنے نور میں رکھ اے خدا

اللہ اللہ درد کو ہو تیری سیر

اللہ اللہ خاتمہ کردے بخیر

میر نذر علی درد کاکوروی

رجب سنہ ۱۳۷۴ھ

۷۸۶
۹۲

تاریخ طبع

(از نتیجۂ فکر میر نذر علی درد کاکوروی مقیم اورنگ آباد دکن) مؤلف کتاب ہذا

اللہ کا شکر ہے عقائد کی کتاب
شایع ہوئی چھپ کے بہرِ تعمیرِ معاد
ہجری میں لکھو درد یہ سالِ تاریخ
مجموعۂ حسنِ اعتقاداتِ معاد

سنہ ۱۳۷۲ھ

مالے گاؤں کے اہلسنت والجماعت خصوصًا مولنٰا عبدالشکور صاحب (ساکن محلہ قلعہ ملے گاؤں) اور جناب قاضی عبدالرشید صاحب (خادم مسجد حاجی دوست محمد صاحب اسلام پورہ مالے گاؤں) کے ہم بہت ممنون ہیں جنکی وجہ سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور جن لوگوں نے اسکی طباعت میں مدد دی۔ ہے اللہ تعالیٰ اُن سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

نوٹ: یہ کتاب مولانا عبدالشکور صاحب محلہ قلعہ مالے گاؤں ضلع ناسک کے پتہ پر بھی مل سکتی ہے۔

درد کاکوروی

اورنگ آباد

(دکن)

مؤلف کی چند دیگر قابل دید کتابیں

مرقومات بےمثال حصہ دوم	۳۰ر	مرقومات بے مثال حصہ سوم	۳۰ر
ایضاً حصہ چہارم	۶ر	مناجات آہ سرد	۲ر
درود شریف اور اُس کے فائدے	۶ر	نعت النبی	۳ر
خمسہ بر مناجات حضرت خلیفہ اول مترجم	۲ر	رسالہ سماع	۶ر
اللہ میاں اور ہمارے رسول	۴ر	اچھے اعتقاد (قرآن وحدیث کی روشنی میں)	۱۰ر

ملنے کا پتہ

حکیم محمد احمد علوی طبیب یونانی رجسٹرڈ

رزاقی دواخانہ۔ افتخار آباد۔ کانپور

کتب قابل فروخت

مناجات آہ سرد	۲ر	رسالہ سماع	۶ر
اچھے اعتقاد قرآن وحدیث کی روشنی میں	۱۰ر	جذبات درد	۸ر

میر نذر علی درد کاکوروی

پنچی بازار اورنگ آباد دکن